حیاتِ حافظ

یعنی سوانح عمری خواجہ حافظ شیرازیؒ

مؤلفہ

شمس العلماء مولٰنا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

جس میں

نام و نسب بچپن۔ سن رشد۔ اور شاعری کی شہرت
وفات اور اولاد دنیاوی تعلقات۔ کلام پر رائے۔
غزل۔ اساتذہ کا تتبع۔ خواجہ صاحب کی خصوصیات
جوش بیان بدیع الاسلوبی۔ واردات عشق۔ فلسفہ۔
فلسفہ اخلاق۔ واعظین کی پردہ دری۔ روزمرہ و محاورہ
خوشنوائی۔ بندش کی چستی ظرافت وغیرہ

حسب فرمایش
حافظ شریف حسین تاجر کتب دہلی
باہتمام شیخ نذیر حسین تاجر کتب
رحمانی پریس دہلی میں چھپی

hili Nu'mani, Muham-
mad

Hayat-i Hafiz

ammad

حیاتِ حافظ

یعنی سوانح عمری خواجہ حافظ شیرازیؒ

مؤلفہ

شمس العلماء مولٰنا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

جس میں

نام ونسب بچپن۔ سن رشد۔ اور شاعری کی شہرت
وفات اور اولاد دنیاوی تعلقات۔ کلام پر رائے۔
غزل۔ اساتذہ کا تتبع۔ خواجہ صاحب کی خصوصیات
جوش بیان بدیع الاسلوبی۔ واردات عشق۔ فلسفہ۔
فلسفہ اخلاق۔ واعظین کی پردہ دری۔ روزمرہ ومحاورہ
خوشنوائی۔ بندش کی چستی ظرافت وغیرہ

حسب فرمایش
حافظ شریف حسین تاجر کتب دہلی
باہتمام شیخ نذیر حسین تاجر کتب
رحمانی پریس دہلی میں چھپی

متفرق کتابیں

ہفت بہشت یعنی سوانحعمری خواجگان چشت

آسمان ولایت کے سات ستارے یعنی حضرات (۱) قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح (۲) عمدۃ الاولیا زبدۃ الاصفیا حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری رح (۳) فخر السالکین فرید الکاملین قطب العالمین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح (۴) حضرت بابا فرید الدین گنجشکر رح (۵) سلطان المشائخ محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیا رح (۶) حضرت علاء الدین علی احمد صابری کلیری رح (۷) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح ان بزرگان دین کے مزارات کے صحیح اور خوشنما نقشے ان کے حالات کے آخر میں علیحدہ علیحدہ شامل کیے گئے ہیں مجلد کتاب ہے قیمت ۱ روپیہ ۴ آنے ایک روپیہ چار آنے

جامع مسجد دہلی کے نیچے قتل

مقتول سر ہاتھ میں لے کر سیڑھیوں پر چڑھ گیا

حضرت سرمد شہید رح کا اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے قتل ہونے کا واقعہ کس نے نہ سنا ہوگا لیکن جناب مولانا ابو الکلام آزاد نے جیسا موثر نقشہ اس کا کھینچا ہے وہ دیکھنے ہی کے لائق ہے پوری سوانحعمری سرمد مولانا کی لکھی ہوئی ہے اور اسکے ساتھ سرمد کی تمام رباعیاں بھی مع ترجمہ منظوم دیدی ہیں رباعیات سرمد اسلامی تصوف اور عارفانہ چٹکلوں کا ایسا نادر ذخیرہ اپنے اندر رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی زبان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ترجمہ میں بھی سرمد کا مستانہ رنگ ہے چھپائی کتاب کی قیمت صرف بارہ آنے مجلد ۱۲/

تحفۃ الہند معہ کتھا سلونی

مصنفہ مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم یہ وہ کتاب ہے جو پچاسوں مرتبہ چھپکر ملک میں بک چکی ہے اننت رام نے جب کہ اسلام قبول کیا تھا اس وقت یہ کتاب لکھکر آریوں کے روبرو پیش کی گئی تھی۔ قیمت آٹھ آنے

ملنے کا پتہ۔ شیخ نذیر حسین شریف حسین مالکان رحمانی پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہیں ہو سکتا کہ خواجہ حافظ کے حالات زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہیں ہو سکتے اگر یہ کا شاعر یورپ میں پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اسکی سوانحعمریاں لکھی جاتیں کہ اسکی تصویر کا ایک ایک خط و خال سامنے آجاتا لیکن ہمارے تمام تذکرہ نویسوں نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کر دیا جائے۔ تب بھی انکی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں ہو کر نہیں نظر آتا۔ جس قدر تذکرے ہیں سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں اور وہی چند واقعات ہیں جنکو بہ اختلاف الفاظ سب نقل کرتے آئے ہیں۔ ان سب میں عبد النبی فخر الزمانی نے اپنے تذکرہ میخانہ میں جو جہانگیر کے عہد میں سنہ ۱۰۳۶ھ میں لکھا گیا۔ ابتدائی حالات اوروں کی بہ نسبت اچھے بہم پہونچائے ہیں۔ حبیب السیر میں جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہیں خود حافظ کے کلام میں جابجا واقعات کے اشارے ہیں ان سب کو ترتیب دیکر انکی زندگی کی تصویر کھینچتا ہوں لیکن در اصل یہ تصویر نہیں بلکہ خاکہ ہے اور زیادہ سچ یہ ہے کہ خاکہ بھی نہیں بلکہ محض چند لکیریں ہیں۔

خواجہ صاحب کے دادا، اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے اتابکان شیراز کے زمانہ میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاؤ الدین تھا انہوں

نے یہاں تجارت شروع کی اور کاروبار کو اس قدر ترقی دی کہ دولتمندوں میں ان کا شمار
ہونے لگا بہاؤالدین نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے انکو اگرچہ باپ سے بہت بڑا ترکہ ملا
تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا چند روز میں باپ کی کمائی سب اڑ گئی بیٹے پریشان ہو کر کہیں
کے کہیں نکل گئے لیکن خواجہ صاحب کمسنی کی وجہ سے اپنی ماں کے ساتھہ شیراز ہی میں رہ گئے
گھر میں فاقے ہونے لگے تو انکی ماں نے ان کو محلہ کے ایک آدمی کے حوالہ کر دیا کہ اپنی خدمت میں رکھے
اور کھانے پینے کی کفالت کرے لیکن یہ شخص بد اطوار تھا خواجہ سن شعور کو پہنچے تو اسکی صحبت
ناگوار ہوئی چنانچہ اس سے قطع تعلق کر کے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا، آدہی رات سے اٹھکر صبح
تک خمیر گوندھتے گھر کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا محلے کے سب لڑکے اسمیں پڑھتے تھے، خواجہ
صاحب اکثر اُدہر سے نکلتے تو دلمیں تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی، رفتہ رفتہ شوق اس قدر بڑہا کہ مکتب
میں داخل ہو گئے خمیر سے جو کچھہ حاصل ہوتا اس میں سے ایک تہائی ماں کو اور ایک معلم کو دیتے
بقیہ خیرات کرتے، مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا، معمولی سواد خوانی کی بہی لیاقت حاصل کی
اس زمانہ میں شعر و شاعری کا گھر گھر چرچا تھا محلے میں ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزوں
طبع تہا، اس مناسبت سے اور ارباب ذوق بھی اسکی دوکان پر آ بیٹھتے تھے، اور شعر و سخن کے
چرچے رہتے تہے، خواجہ صاحب پر بہی اس مجمع کا اثر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی لیکن طبیعت
موزوں نہ تھی بے تکے شعر کہتے اور لوگوں کو تفریح طبع کا سامان ہاتھہ آتا، رفتہ رفتہ انکی لغو گوئی
کی شہرت تمام شہر میں پہیل گئی، لوگ تفریح کے لئے انکو صحبتوں میں بلاتے اور لطف اٹہاتے
دو سال تک یہی حالت رہی لوگوں کا استہزا حد سے بڑہا تو انکو بہی احساس ہوا ایک دن نہایت
رنجیدہ ہوئے اور باباکوہی کے مزار پر جاکر پہوٹ پہوٹ کر روئے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک
بزرگ ان کو لقمہ کہلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا اب تجہپر تمام علوم کے دروازے کہل گئے، نام دریافت
کیا تو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام ہیں صبح کو اٹہے تو یہ غزل لکہی،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

شہر میں آئے تو لوگوں نے حسب معمول شعر پڑھنے کی فرمائش کی اُنہوں نے وہی غزل پڑھی سبکو حیرت ہوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوالی ہی، امتحان کے لئے طرح دی، انہوں نے طرح میں عمدہ غزل لکھی، اسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا۔

یہ تمام واقعات عبدالنبی نے میخانہ میں لکھے ہیں اس میں اگرچہ خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے بعض باتیں بڑہا دی ہیں یا اصل واقعات کی صورت بدل دی ہی تاہم بہت کچھ اصل واقعات ہی ہیں۔ خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دور دور سے سلاطین اور امرانے انکے بلانے کے لئے خطوط بہیجے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں شیراز میں متعدد حکومتیں قایم ہوئیں اور حسن اتفاق یہ کہ فرمانروا عموماً خود صاحب علم وفضل اور علما اور شعرا کے نہایت قدردان تہے غازان خاں (چنگیز خاں کا پوتا) کے زمانہ میں غازان کی طرف سے محمد شاہ انجو فارس و شیراز کا حکمراں مقرر ہوکر آیا تہا، اِسکے خاندان میں سے شاہ ابو اسحاق خواجہ حافظ کے زمانہ میں تھا۔ وہ نہایت قابل اور فاضل تہا، خود شاعر اور شعرا کا مربی اور قدردان تھا اسکے ساتھ نہایت عیش پرور اور لہو و لعب کا دلدادہ تھا اس بنا پر اگرچہ ملکی انتظامات بے اصول تہے لیکن گہر گہر عیش و نشاط کے چرچے تہے، اور شیراز باغ ارم بن گیا تہا، خواجہ حافظ کی مستانہ غزلوں میں اس دور کا اثر شامل ہے۔

شاہ ابواسحاق کی عیش پسندی حد سے بڑھ گئی تو ۷۵۴ھ میں محمد مظفر نے اس پر لشکر کشی کی فوجیں شہر پناہ کے دامن میں آگئیں لیکن ابو اسحاق کو کوئی شخص خبر نہیں کر سکتا تہا امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا، ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنادیا ہے حضور ذرا بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائیں، ابو اسحاق نے بالاخانہ پر چڑھکر دیکھا تو چاروں طرف فوجیں پھیلی ہوئی ہیں پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہے مسکرا کر کہا عجب احمق ہی اس بہار میں یوں اوقات خراب کرتا ہے یہ شعر پڑھکر نیچے اتر آیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم | چو فردا شود، فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو اسحاق کو قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت رنج ہوا چنانچہ ایک قطعہ لکھا جس میں اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا

بہ عہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق | بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد
نخست بادشہے ہمچو او ولایت بخش | کہ گوئے فضل ربود، داد، بہ عدل کہ تشنہ داد
دوم بقیہ ابدال شیخ امین الدین | کہ بود دخل اقطاب و مجمع اوتاد
سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دیں | کہ قاضی بہ از و آسماں ندارد یاد
دگر قاضی فاضل عضد کہ در تصنیف | بنای شرح مواقف بنام شاہ نہاد
دگر کریم چو حاجی قوام دریا دل | کہ او بہ جود چو حاتم ہمی صلا در داد
نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند | خدای عز و جل جملہ را بیامرزاد

شاہ ابو اسحاق کے مرنے کا صدمہ، خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزلوں میں بھی بے اختیار ابو اسحاق کا نام زبان پر آجاتا ہے۔

راستی خاتم فیروزہ بو اسحاقی | خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ابو اسحاق کے بعد محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز و فارس کا حکمراں ہوا وہ اصل میں خراسان کا باشندہ تھا جس زمانہ میں سلطان ابو سعید نے وفات پائی اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو اس نے ۷۴۱ھ میں فوجیں فراہم کر کے آس پاس کے مواضع پر حملہ شروع کیا سب سے پہلے یزد پر قبضہ کیا رفتہ رفتہ اسکے حدود حکومت نہایت وسیع ہو گئے محمد بن مظفر نہایت متقشف تھا، تخت نشین ہونیکے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کئے اور تمام میخانہ بند کرا دیے، تذکرہ تقی الدین حسینی میں لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل لکھی ہے

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است | بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است
در آستین مرقع، پیالہ پنہاں کن | کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است

زرنگ بادہ بشوئید خرقہا از شک | کہ موسم ورع و روزگار پرہیز است

خواجہ صاحب کے دیوانوں میں یہ غزل ہے جو شراب خانوں کے بند ہونیکا پرا ثر مرثیہ ہے

بود آیا کہ در میکدہ ہا بکشایند؟ | گرہ از کار فرو بستہ ما بکشایند

گیسو چنگ ببرید بمرگ مے ناب | تا ہمہ مغبچہ ہا زلف دوتا بکشایند

نامہ تعزیت دختر رز بنویسید | تا حریفاں ہمہ خوں از مژہ ہا بکشایند

در میخانہ ببستند خدایا مپسند | کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند

اگر از بہر دل زاہد خود بیں بستند | دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جسکا ذکر آگے آتا ہے اسنے بھی اس موقعہ پر ایک رباعی لکھی اور خوب لکھی۔

در مجلس دہر ساز مستی پست است | نہ چنگ نہ قانون و نہ دف بر دست است

رنداں ہمہ ترک مے پرستی کردند | جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

امیر مبارز الدین کے بعد اس کا بیٹا شاہ شجاع فرمانروا ہوا وہ اس سلسلہ کا سرتاج اور علم و فن کا پشت و پناہ تھا، وہ علم و فن کی گود میں پلا تھا، سات برس کے سن میں تعلیم شروع کی نو برس میں قرآن مجید حفظ کیا۔ قاضی عضد سے شرح مفصل وغیرہ پڑھی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سننے میں عربی کے چھ سات شعر یاد ہو جاتے تھے، عربی اور فارسی میں اس کے مکاتبات اہل ادب میں مقبول عام ہیں علم و فضل کی قدردانی کی وجہ سے اس کا دربار علماء و فضلا کا قبلہ حاجات تھا شعر بھی کہتا تھا، تقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ میں بہت سے اشعار لکھے ہیں ایک رباعی یہ ہے۔

احوال بدم ز خلق پنہاں می کن | وانہ اہل جہاں بر دلم آساں می کن

امروز خوشم بدار و فردا با من | آنچہ از کرم تو مے سزد آں می کن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے میخانوں کی جو روک ٹوک تھی شاہ شجاع

نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اٹھا دی، خواجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ہے وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

سحر ز ہاتف غیبم رسیده مژده بگوش | که دور شاه شجاع است می دلیر بنوش
شد آنکه اہل نظر برکناره می رفتند | ہزار گونه سخن در دہان و لب خاموش
به بانگ چنگ بگوئیم آن حکایتہا | که از نهفتن آن دیگ سینه میزد جوش
رموز مملکت خویش خسروان دانند | گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کی آزاد پسندی نے میخواروں کو بہت آزاد کر دیا تھا اس بنا پر خواجہ صاحب اسکے بہت ممنون ہیں، اور جو غزلیں شاہ شجاع کی مدح میں لکھی ہیں سب میں اس کا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے

قسم بہ حشمت و جاه و جلال شاه شجاع | که نیست باکم از بہر مال و جاه نزاع
به بزم رقص کناں می رود به ناله چنگ | کسے که اذن نمی داد استماع سماع

ایک اور غزل میں کہتے ہیں

چنگ در غلغلہ آمد که کجا شد منکر | جام در قہقہہ آمد که کجا شد مناع
عمر و خسرو طلب از نفع جہاں می طلبی | که وجودیست عطا بخش و کریمی نفاع
مظہر لطف ازل روشنی چشم امل | جامع علم و عمل جان جہاں شاہ شجاع

خواجہ صاحب نے اگرچہ جابجا اپنے اشعار میں شاہ شجاع کا نام مداحانہ انداز سے لیا ہے چنانچہ ایک غزل میں فرماتے ہیں

خیال آب خضر بست و جام کیخسرو | بجرعه نوشی سلطان ابوالفوارس شد

شاہ شجاع کی کیفیت

لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا شجاع کے عہد میں خواجہ عماد فقیہہ مشہور عالم تھے، شجاع ان کا نہایت معتقد تھا۔

خواجہ عماد کی ایک بلی تھی جسکو انہوں نے اس طرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے

تو بلی بھی نماز پڑہنے کے انداز سے جھکتی اور سر اٹھاتی، خواجہ حافظ نے اسی زمانہ میں ایک غزل لکھی۔

صوفی بہ جلوہ آمد وآغاز ناز کرد　　بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل میں ظرافت سے یا خواجہ عماد کو ریاکار سمجھکر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا[1]

ای کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز　　غرۂ مشوکہ گربہ عابد نماز کرد

غالباً شجاع کی ناراضی کی ابتدا اسی شعر سے ہوئی رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ بڑہتی گئی ایکدن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپ کی کوئی غزل یکساں اور ہموار نہیں ہوتی، ایک شعر میں تصوف، دوسرے میں مے پرستی، تیسرے میں شاہد بازی اسی طرح ہر شعر میں رنگ بدلتا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب نے کہا ہاں، لیکن ان سب برائیوں کے ساتھہ بھی میری غزلیں میری زبان سے نکلکر تمام دنیا میں پھیل جاتی ہیں بخلاف اوروں کے کہ ان کا قدم شہر کے دروازے سے بھی باہر نہیں نکلتا شجاع کو اس گستاخانہ اور آزادانہ جواب پر اور زیادہ ملال ہوا۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں خواجہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی جس کا مقطع یہ تھا۔

گر مسلمانی ازیں است کہ واعظ دارد　　وائی گر در پس امروز بود فردائے

شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہ پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو ستانا چاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوئے حسن اتفاق یہ کہ مولانا زین الدین تائبا بادی حج کو جاتے ہوئے شیراز سے گزرے خواجہ صاحب نے ان سے یہ ماجرا بیان کیا انہوں نے صلاح دی کہ مقطع کے اوپر ایک اور شعر لکھہ دو جس سے مقطع کا دوسرا مقولہ بن جائے خواجہ صاحب نے اسی وقت کہا۔[2]

دی ددو بتیم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت　　با دف و بربط و نے، مغبچہ ترسائے

---

[1] حبیب السیر ۱۲۔ [2] حبیب السیر ۱۲۔

شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں انتقال کیا اسکے بعد شاہ منصور بن مظفر بادشاہ ہوا،
وہ بھی بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تہا خواجہ صاحب نے اسکی مبارکبادیں یہ غزل لکھی

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید — نوید فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تہا کہ تیمور نے شیراز پر حملہ کیا۔

منصور اگرچہ نہایت دلیر اور صاحب عزم تھا لیکن تیمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ
تمام عالم میں پڑ چکا تہا اسلئے چاہا کہ شیراز سے نکل جائے شہر پناہ کے دروازے پر پہونچا تو ایک
بڑہیا نے کہا کہ ایک مدت تک بادشاہی کر کے رعایا کو مصیبت میں چہوڑ کر کہاں بھاگے جاتے
ہو، منصور وہیں سے پلٹا اور صرف دو ہزار فوج سے تیمور پر حملہ آور ہوا اور پے در پے تیمور
کی فوج کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہونچ گیا، تیمور پر تلوار کا وار کیا، قماری ایتاق
نام ایک افسر نے بڑہکر تلوار کو سپر پر روکا چار دفعہ پے در پے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ قمار
ایتاق سپر ہو جاتا تہا اور تیمور کو بچا لیتا تہا بالآخر فوجوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے
منصور کو قتل کر دیا جس کا خود تیمور کو افسوس رہا، وہ کہا کرتا تہا کہ آجتک معرکوں میں
کسی کو منصور کا ہمسر نہیں دیکہا۔

تیمور نے خواجہ حافظ کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے تمام عالم کو اس لئے ویران کیا
کہ سمرقند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں، تم انکو ایک تل کی عیوض میں دے ڈالتے ہو۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا — بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے کہا انہی فضول خرچیوں کی بدولت تو اس فقر و فاقہ کی نوبت پہنچی ہے
خواجہ صاحب کی غزلیں اب چار دانگ عالم میں پہیل گئیں چنانچہ خود کہتے ہیں۔

بشعر حافظ شیراز میگویند و میرقصند — سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

اس زمانہ میں جس قدر سلاطین تھے سب آرزو رکہتے تہے کہ خواجہ صاحب کے کلام سے
لطف اٹہائیں، چنانچہ عراق عرب، ہندوستان، ہر جگہ سے شوقیہ خطوط آئے بغداد

کا فرمانروا سلطان احمد بن اویس تھا جو تمام کمالات کا مجموعہ تھا، مصوری، زرنگاری
کمان سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون میں بڑے بڑے صناع اسکی شاگردی
کا دم بھرتے تھے، موسیقی میں یہ کمال تھا کہ خواجہ عبدالقادر نے اسکی شاگردی اختیار کی اس
فن میں اسکی متعدد تصنیفات ہیں جو مدت تک گویوں کا دستورالعمل رہیں ان باتوں
کے ساتھ سخن سنج اور شاعر تھا[1] خواجہ صاحب کو اس نے بار بار بلایا، خواجہ صاحب بلکے
چنانچہ بعض غزلوں میں اسکے اشارے بھی ہیں لیکن پھر بھی رکناباد کی خاک دامن نہیں چھوڑتی
تھی، چنانچہ فرماتے ہیں،

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر — نسیم باد مصلّے و آب رکناباد

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر سلطان احمد کو بھیجی[2]

احمد اللہ علی معدلۃ السلطان — احمد شیخ اویس حسن الیخانی

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد — آں کہ مے زیبد اگر جان جہانش خوانی

از گل فارسیم غنچۂ عیشے نہ شگفت — حبذا دجلۂ بغداد و مے روحانی

بر شکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست — دولت خسروی و منصب چنگیز خانی

اگرچہ خواجہ صاحب بغداد نہ جاسکے لیکن شوق کا کانٹا ہمیشہ دل میں کھٹکتا رہا، چنانچہ
جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں۔

رہ نہ بردیم بہ مقصود خود اندر شیراز — خرم آں روز کہ حافظ رہ بغداد کند

دکن میں سلاطین بہمنیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بہمنی مسند آرا تھا، وہ نہایت
قابل اور صاحب کمال تھا عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں نہایت فصاحت اور
روانی کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب و عجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے
قصیدہ پر ایک ہزار تنکہ جو ہزار تولہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام میں دئے جائیں۔

---

[1] دولت شاہ، [2] دولت شاہ ۱۲

اسکی قدردانیوں کا شہرہ سنکر خواجہ صاحب کو دکن کے سفر کا خیال ہوا لیکن خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہونچی جو محمود کے دربار میں صدارت کے منصب پر ممتاز تہا، اُنہوں نے زادراہ بہیجکر طلبی کا خط لکہا، خواجہ صاحب نے اس روپے میں سے کچھہ بہانجوں کی ضروریات میں صرف کئے، کچھہ لوائے قرض میں صرف ہوا جو باقی رہ گیا اس سے زادراہ سفر کا سامان کرکے شیراز سے روانہ ہوئے مقام لاہور میں پہونچے تو وہاں ایک دوست سے ملاقات ہوئی جن کا مال اور اسباب حال ہی میں لٹ گیا تھا. خواجہ صاحب نے جو کچھہ پاس تہا انکے حوالہ کردیا اور آپ خالی ہاتہہ رہ گئے اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی جو مشہور تاجر تھے ہندوستان آرہے تھے انکو یہ حال معلوم ہوا تو خواجہ صاحب کے مصارف کے کفیل ہوئے لیکن سوداگروں سے ایک نازک مزاج شاعر کی نازبرداریاں کہاں انجام پاسکتی ہیں خواجہ صاحب کو رنج ہوا تاہم صبر کیا اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے ہرمز کے بندرگاہ میں آتا تھا اور ہندوستان کو واپس جارہا تہا سوار ہوئے سو اتفاق یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہیں اٹہایا تھا کہ ہوا کا طوفان اٹہا خواجہ صاحب فوراً جہاز سے اتر آئے اور یہ غزل لکہکر فضل اللہ کو بہیجی،

دمے باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد — بمی بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است — کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
بکوئے میفروشانش بجامے در نمی گیرند — زہی سجادہ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آسان می نمود اول غم دریا بہ بوئے در — غلط کردم کہ یک موجش بصد گوہر نمی ارزد

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت میں پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا، سلطان نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلا میں سے تہے، ایک ہزار تنکہ طلا دیا کہ ہندوستان کے عمدہ مصنوعات خرید کرکے لیجائیں اور خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کریں[1]

[1] یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ میں ہے۔

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمانروائے بنگالہ نے بھی جو ۷۶۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا۔ چنانچہ طرح کا یہ مصرع بھیجا۔

ع ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر بھیجی۔

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود	وین بحث با ثلاثہ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند	زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین	غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

خواجہ صاحب نے ۷۹۲ھ میں وفات پائی، خاک مصلےٰ تاریخ ہے جسمیں ایک عدد کی کمی ہے مصلےٰ[1] ان کا محبوب مقام تھا اسلئے دفن بھی یہیں ہوئے سلطان بابر بہادر کے زمانہ میں محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کرایا جو ابتک قائم ہے انکے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہو گیا ہے، ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے لوگ زیارت کو وہاں جاتے ہیں، وہیں دن بسر کرتے ہیں، کھاتے پکاتے ہیں چا پیتے ہیں کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصہ خاک پر گرا دیتا ہے خواجہ صاحب نے پانچسو برس پہلے کہدیا تھا۔

بر سر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ	کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

آل واولاد خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سے قیاس ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کے کھیڑوں سے آزاد ہوں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شادی بھی کی تھی اور اولاد بھی تھی صاحبزادہ کا نام شاہ نعمان تھا، وہ ہندوستان میں آئے اور یہیں بمقام برہان پور وفات کی ان کی قبر قلعہ اسیر کے متصل ہے[1]۔ دیوان میں ایک قطعہ ہے۔

صباح جمعہ بد و سادس ربیع اول	کہ گشت فرقت آں مہ کشتیم حاصل

---

[1] خزانہ عامرہ بہ حوالہ مرآۃ الصفا،

به سال هفتصد و شصت و چهار از هجرت — چو آب حل بشدم این دقیقهٔ مشکل

غالباً یہ قطعہ بیوی کی وفات میں لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے۔

دلا دیدی که آں فرزانه فرزند — چه دید اندر خم ایں طاق رنگین

بجائے لوح سیمین در کنارش — فلک بر سر نهادہ لوح سنگین

اگرچہ ممکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانا مرگ کی شان میں ہو لیکن زیادہ قیاس یہی ہے کہ خود انہی کا کوئی فرزند تھا جو آغاز عمر میں گزر گیا تھا۔

خواجہ صاحب کی تحصیل علم اور انکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسوں نے مطلق نہیں لکھا چنانچہ جس کا حوالہ اوپر گذر چکا ہے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ محلہ میں جو مکتب تھا اس میں تعلیم پائی تھی لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے علوم درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلوں میں عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہیں اس سے انکی عربیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بعض غزلوں میں متعدد شعر، خالص عربی میں ہیں اور سلاست و فصاحت میں جواب نہیں رکھتے

الا اے ساربان محمل دوست — الی رکبانکم طال اشتیاقی

درونم خون شد از نادیدن یار — الا انفیا لایام الفراق

بیا ساقی بده رطل گرانم — سقاک اللہ من کاس دهاق

نهانی الشیب من وصل العذاری — سوی تقبیل خد و اعتناق

سلام اللہ من کرّ اللیالی — علی ملک المکارم و المعالی

فمجلک راحتی فی کل حین — و ذکرک مونسی فی کل حال

ست سلمی لبصدغیها فوادی — و روحی کل یوم لی تنادی

گر تیغ بارد در کوئے آں ماه — گردن نهادیم الحکم للہ

الصبر مر و العمر فان — یا لیت شعری حتّام القاه

جا بجا عربی کے جملے اس خوبصورتی سے پیوند کرتے ہیں کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہے

چو ہست آب حیاتت بدست تشنہ ممیر | فلا تمت ومن الماء کل شیئ حیی
بخیل بوئے خدا نشنود، بیا حافظ | پیالہ گیر وکرم ورز والضمان علی

قرآن مجید اور تفسیر کے ساتھ انکو خاص لگاؤ تھا، دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ تفسیر کشاف پر حاشیہ بھی لکھا ہے خود فرماتے ہیں۔

زحافظان جہاں کس چو بندہ جمع نکرد | لطائف حکما با کتاب قرآنی

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر میں معقول کو منقول سے تطبیق دیتے تھے فن قرارت میں کمال تھا اسکے ساتھ خوش آواز تھے معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑہتے تھے[۱]

قرآن مجید حفظ یاد تہا اور اس مناسبت سے حافظ تخلص رکھا تھا، قرآن دانی پران کو ناز تھا چنانچہ اشعار میں جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ | بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری
صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ | انچہ کردم ہمہ از دولت قرآں کردم

تجرد اور آزادی

عام تذکروں کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیاوی تعلقات سے آزاد تھے اور سلاطین و امرا سے بے نیاز رہتے تہے لیکن خود ان کے کلام سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی انکے زمانہ میں شیراز کے جو جو فرمانروا گزرے سبکی مدح میں انکے قصائد موجود ہیں اور اسی شان کے ہیں جو عام مدح گویوں کا انداز ہے شاہ شجاع کی مدح میں نونیہ قصیدہ ہے جس میں لکہتے ہیں

دارای دہر، شاہ شجاع آفتاب ملک | خاقان کامگار و شہنشاہِ نوجوان
حکمش رواں چو باد براطراف بحر و بر | مہرش رواں چو روح در اعضائے انس و جان
بے طلعت تو جان نہ گراید بہ کالبد | بے نعمت تو مغز نہ بندد در استخواں

[۱] ہفت اقلیم امین رازی،

سلطان ابواسحاق کی مدح میں بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہی جس کا مطلع یہ ہے۔

سپیدہ دم کہ صبا بوی بوستان گیرد — چمن ز لطف ہوا نکتہ بر جنان گیرد

مدح میں لکھتے ہیں

جمال چہرۂ اسلام شیخ ابو اسحاق — کہ ملک در قدمش زیب بوستان گیرد

سلطان محمود کی مدح مثنوی میں لکھی ہے جس کا ذکر آگے آئیگا منصور کے وزرا میں سے ایک بدہمت نے راے دی تھی کہ علماء و فضلاء کے وظیفے جنکی تعداد ۔ تو ماں تھی بند کرد ئے جائیں، منصور نے مانا اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا[۱]

چو ز ابر سحر بہشاد حمایل برابرم — یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

منصور بن محمد غازی است حرز من — وز این خجستہ نام بر اعدا مظفرم

ای شاہ شیر گیر چہ گردد اگر شود — در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

جا بجا خود انکے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ سلاطین اور امراء کے نام مدحیں لکھکر بھیجیں کہ صلہ ہاتھ آئے چنانچہ ایک قصیدے میں فرماتے ہیں

شاہ ہرمز دم ندیدہ بے سخن صد لطف کرد — شاہ یزدم دیدہ و مدحش گفتم و ہیچم نداد

کار شاہان این چنین باشد توای حافظ مرنج — داور روزی رسان توفیق نصرت شان دہاد

ایک اور قطعہ میں لکھتے ہیں

خسروا! دادگرا! شیر دلا! بحر کفا — ای کمال تو بہ انواع ہنر ارزانی

در دو سال آنچہ بیندوختم از شاہ و وزیر — ہمہ بربود بیکدم فلک چوگانی

غرض یہ بالکل غلط ہے کہ خواجہ صاحب ہاتھ پاؤں توڑکر بیٹھ گئے تھے، اور کسب معاش کی فکر نہ کرتے تھے البتہ فرق یہ ہے کہ انکے تمام معاصرین بلکہ پیشتر و نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے۔ انوری، ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اسنے صلہ کم دیا یا دیر لگائی تو ہجو شروع کردیتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی تھی کہ تہذیب و شائستگی آنکھیں بند کرلیتی تھی ظہیر وغیرہ کے کلام میں سینکڑوں

[۱] حبیب السیر

قطعے اور قصائد ہیں جن میں اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہے کہ ان کو دیکھکر شرم آتی ہے خواجہ صاحب اس سفلہ پن سے بری ہیں۔ وہ مدح لکھتے ہیں۔ صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہکر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا کبھی کبھی ہلکا سا تقاضہ بھی کرتے ہیں لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے ایک قطعہ میں فرماتے ہیں۔

به سمع خواجه رسان ای رفیق وقت شناس ‌ ‌ ‌ به خلوتے که دراں اجنبی صبا باشد
لطیفهٔ به میاں آر و خوش بخند انس ‌ ‌ ‌ به نکته که دلش را دراں رضا باشد
پس آنگہے ز کرم ایں قدر بپرس به لطف ‌ ‌ ‌ که گر وظیفه تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ میں کس لطف سے کنایہ کیا ہے

دوش در خواب چناں دید خیالم که سحر ‌ ‌ ‌ گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی
بسته بر آخور او استر من جو می خورد ‌ ‌ ‌ توبره افشاند و مرا گفت مرا میدانی
ہیچ تعبیر نمی دانمش ای خواجه خواب که چیست ‌ ‌ ‌ تو بفرمائے که در فہم نداری ثانی

یعنی میں نے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہاں میرا خچر جو کھا رہا تھا مجکو دیکھکر اسنے توبڑہ کا رخ میری طرف کر کے جھاڑا اور کہا کہ کیوں مجکو پہچانتے ہو اس خواب کی مجکو کچھ تعبیر نہیں معلوم ہوتی آپ بڑے نکتہ فہم ہیں آپ ہی بتائیں کہ اسکی تعبیر کیا ہے مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا انتظام کر دیجئے۔

معاشرت انکے اشعار اور حسبتہ حسبتہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور آزادی سے بسر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے قرآن مجید کے نکات اور حقایق پر درس دیتے تھے لیکن بایں ہمہ اظہار تقدس سے نہایت نفرت رکھتے تھے صاف دل بے تکلف تھے۔ جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریاکاری کے پردے میں چھپا کر نہ کرتے رکنا باد جو ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے اب تو محض ذرا سی نہر رہ گئی ہے خواجہ صاحب کے زمانہ میں وسیع چشمہ ہوگا اس کے کنارے بیٹھکر

عالم آپ کا لطف اٹھاتے تھے دوست احباب جمع ہوتے تھے، ہر قسم کی صحبتیں رہتیں، اکثر اشعار میں مزے لے لیکر اس کا ذکر کرتے ہیں۔

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت | کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

رکنا باد کے منبع کا نام اللہ اکبر ہے اس کا بھی ذکر جابجا کرتے ہیں

فرق ہست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست | تا آب کہ منبعش اللہ اکبر است

جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزلوں میں ان کا ذکر احسانمندی کے ساتھہ کرتے ہیں یہ طریقہ ان کا خاص انداز ہے۔

بخواہ جام صبوحی بہ یاد آصف عہد | وزیر ملک سلیماں عماد بن محمود

ع چہ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

دریاے اخضر فلک و کشتی ھلال | ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مطرب بہ پردہ سازی، شاید اگر بخواند | از طرز شعر حافظ در بزم شاہزادہ

تو بدین نازکی و سرکشی اے شمع چگل | لائق بزمگہ خواجہ جلال الدینے

با تو گر زین پس فلک خواری کند | یاز گو در حضرت دارائے رے

خسرو آفاق بخشش کز عطا | نامۂ حاتم ز نامش گشت طے

از برائے صید دل در گردنم زنجیر زلف | چوں کمند خسرو مالک رقاب انداختی

نصرت الدین شاہ یحیٰی آنکہ تاج آفتاب | از سر تعظیم و قدرت در تراب انداختی

اے در رخ تو پیدا انوار بادشاہی | در فکرت تو پنہاں صد حکمت الٰہی

عمرے است بادشاہا کز می تہی است جامم | اینک ز بندہ دعوی، و ز محتسب گواہی

انصاف پسندی خواجہ صاحب اگرچہ اس رتبے کے شخص تھے کہ انکے تمام ہمعصر شعرا غزل گوئی میں ان کے سامنے ہیچ تھے، تاہم وہ سب کو نہایت ادب سے یاد کرتے ہیں بلکہ اپنے آپکو ان کا پیرو کہتے ہیں خواجہ جو کرمانی کی نسبت کہتے ہیں،

استاد غزل سعدی است پیش ہمہ کس اما   دارد غزل حافظ طرز روش خواجو

فخر کے جوش میں آکر کہتے ہیں

چہ جائے گفتہ خواجو و شعر سلمان است   کہ شعر حافظ شیراز بہ ز شعر ظہیر

لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ انکے لئے ننگ ہے ظہیر کو غزل میں انسے کیا نسبت،

اس زمانہ میں کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے خواجہ صاحب سے انسے راہ و رسم تھی وہ خواجہ صاحب کی غزلیں منگوایا کرتے اور اپنا کلام ان کو بھیجتے ایکدفعہ انہی یہ غزل بھیجی

گفت یار از غیر ما پوشاں نظر گفتم بچشم   وانگہے وزدیدہ در ما می نگر گفتم بچشم

غزل میں یہ شعر بھی تھا۔

گفت اگر بر سر در بیابان غمم خواہی نہاد   تشنگان را مژدہ از ما بر گفتم بچشم

خواجہ صاحب اس شعر پر پہونچے تو ان پر حالت طاری ہوئی۔ افاقہ کے بعد کہا کہ واقعی اس شخص کا پایہ بہت بلند ہے[1]

کلام

تذکرہ میخانہ میں لکہا ہے کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس میں تیار ہوا لیکن یہ قطعًا غلط ہے خلاف قیاس ہونیکے علاوہ غزلوں میں جابجا جن لوگوں کے نام آتے ہیں ان کے زمانوں میں برسوں کا آگا پیچھا ہے، خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل میں ہے لیکن انہوں نے قصائد اور مثنویاں بھی لکھی ہیں اور گو وہ تعداد میں کم ہیں لیکن ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاعری کے تمام اصناف پر ان کو قدرت حاصل تھی عام خیال ہے کہ جو لوگ غزل اچھی لکھتے ہیں، قصیدہ اور مثنوی اچھی نہیں لکھتے لیکن خواجہ صاحب کے قصیدے بھی کچھ کم نہیں، اور مثنوی میں تو وہ صفائی لطافت اور زور ہے کہ نظامی اور سعدی کا دہوکہ ہوتا ہے

سر فتنہ دارد دگر روزگار   من و مستی و فتنۂ چشم یار

فریب جہاں قصہ روشن است   ببیں تا چہ زاید، شب آبستن است

ہماں مرحلہ است ایں بیاباں دور   کہ گم شد درو لشکر سلم و تور

[1] دولت شاہ تذکرہ کمال خجند

همان منزل است این جهان خراب — که دیدست ایوان افراسیاب
چه خوش گفت جمشید با تاج و گنج — که یک جو نیرزد سرائے سپنج
مغنی کجائی به گلبانگ رود — به یاد آور آن خسروانی سرود
مغنی بزن چنگ بر ارغنون — برآر از دلم فکر و بنیاد دون
چنان برکش آهنگ این داوری — که ناهید چنگی برقص آورے
مغنی دف و چنگ را ساز ده — به یاران خوش نغمه آواز ده
مغنی کجائی نوائے بزن — به یکتائی او دو تائے بزن
بیا ساقی این نکته بشنو ز نے — که یک جرعه مے به ز دیهیم کے
بیا ساقی آن آب اندیشه سوز — که گر شیر نوشد شود بیشه سوز
بیا ساقی آن آتش تابناک — که زردشت می جویدش زیر خاک
بده تا بگوید ز آواز نے — که جمشید کے بود و کاؤس کے

می ده که بدنام خواهم شدن — خراب می و جام خواهم شدن
بیا ساقی مے که تا دم زنم — قلم بر سر هر دو عالم زنم
سبک باش در رطل گرانم بده — دگر فاش نتوان نهانم مده
که این چرخ و این انجم آبنوس — بسے یاد دارد ز بهرام و طوس
بده ساقی آن آب افسرده را — بیا زنده ساز این دل مرده را
که هر پاره خشتے که بر منظری است — سر کیقبادے و اسکندری است
هر آن گل که در گلستانی بود — ز عارض دلستانی بود
هر آن شاخ سروے که در گلشن است — قد دلبر و زلف سیمین تنے است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور مثنوی میں بھی اساتذہ سے پیچھے نہیں، لیکن ان کا اصلی جوہر غزل گوئی ہے، یہ عموماً مسلم ہے کہ عالم وجود میں آج تک کوئی شخص غزل میں ان کا ہمسر نہ ہوسکا

متوسطین اور متاخرین غزل کے بزم آرا ہیں لیکن ان کو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا انداز کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

روا است صائب اگر نیست از رہ دعوی | تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی است
صائب چہ تواں کرد بہ تکلیف عزیزاں | ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود صائب

ع، چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد،

سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باشش | کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی سلیم

عرفی نے کبھی غزل میں کسی استاد کا نام نہیں لیا تاہم کہتا ہے۔

برآں تتبع حافظ رواست چوں عرفی | کہ دل بکاود و دارد سخنوری داند عرفی

خواجہ صاحب کی غزل گوئی

غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن دہلوی نے اس کو ترقی دی ساتویں صدی کا چمن انہی بلبلوں کے زمزموں سے گونج رہا تھا کہ سلمان ساوجی اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ ان کو فروغ نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ دونوں اور اصناف سخن یعنی قصیدہ اور مثنوی میں اس قدر ممتاز اور نامآور تھے کہ اس اثر سے غزل میں بھی کام دیا ایکے ساتھ ان لوگوں نے غزل میں کچھ جدتیں بھی پیدا کیں جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھیں اسلئے اور بھی مدد ملی اس سے بڑھکر یہ کہ سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلمان بغداد کے ملک الشعرا اور خواجو ابو اسحاق فرمانروائے شیراز کے دربار میں سب سے ممتاز تھے۔

اساتذہ کا تتبع

غرض خواجہ حافظ نے آنکھیں کھولیں تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا خواجہ صاحب نے دونوں کا زمانہ پایا ہوا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجو نے جب ۷۵۳ھ میں شیراز میں وفات پائی تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر میں ہوئے، جو حافظ کی خاص سیرگاہ تھی، اور جسکی شان میں فرماتے ہیں۔

فرق است ز آب خضر کہ ظلمات جای او ست | تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

خواجہ صاحب نے غزلگوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھکر کہنا شروع کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں

ع، دارد سخن حافظ، طرز وروش خواجو،

جو غزلیں ہم طرح ہیں ان میں جا بجا مصرعے تک لڑگئے ہیں اور مضامین اور ترکیبیں تو اکثر سے متوارد ہیں سلمان کی غزلوں پر بھی اکثر غزلیں ہیں اولنسے بھی اس قدر جا بجا توارد ہے کہ لوگوں کو دونوں کے کلام میں اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ بعض بعض غزلیں دونوں کے دیوان میں موجود ہیں، ایک نقطہ کا فرق نہیں، اسی بنا پر بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ کاتبوں نے حافظ خواجو اور سلمان کے دیوان میں نہایت خلط ملط کر دیا ہے۔

خواجہ صاحب کے کلام کا خواجو وغیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس لحاظ سے غیر ضروری ہے کہ آج کسی کو حافظ کی ترجیح میں کلام نہیں بلکہ خواجہ صاحب کی غزلوں کے مقابلہ میں خواجو اور سلمان کی غزلوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا لیکن شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ضروری باب ہے کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکھلائے جائیں یہ ایک واقعہ ہے کہ سعدی، خواجو اور سلمان ہی کے خاکے ہیں جن پر حافظ نے نقش آرائیاں کی ہیں، اسلئے ان کے باہمی امتیاز اور تدریجی ترقی کا دکھانا مصنف کا ضروری فرض ہے، سعدی اور خسرو اور حسن تک غزل میں زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات اور معاملات بیان کرتے تھے خواجو نے دنیا کی بے ثباتی، وسعت مشرب، اور رندی و مستی پر زیادہ زور دیا، اکثر غزلیں پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہیں مثلاً یہ غزل،

چشم صاحب نظر آں ملک سلیماں باد است | بلکہ آں است سلیماں کہ ز ملک آزاد است
ایں کہ گویند کہ برآب نہادہ ست جہاں | مشنو ای خواجہ اکہ چوں نگری برباد است

یا مثلاً یہ غزل

شوبہ ملک سلیمان و مال قاروں شاد | کہ مال و ملک بود در رہ حقیقت باد

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے۔

سلمان کا خاص مذاق، مضمون آفرینی، جدت تشبیہ، اور صنائع لفظی ہے، خواجہ حافظ

بھی ان چیزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ ان کا خاص انداز نہیں سعدی خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق سوز و گداز بیان شوق ناامیدی اور حسرت ہے خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقلید کرتے ہیں چنانچہ اکثر غزلیں ان کی غزلوں پر لکھی ہیں لیکن وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز طبیعت رکھتے تھے اسلئے درد و غم کے نوحے ان سے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے۔ خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو سلمان کے جواب میں جو غزلیں لکھی ہیں ان میں سے بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ ہوسکے۔

خواجو — خرقہ رہن خانہ خمار دارد پیر ما | ای ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما

دوش از مسجد سوئے می خانہ آمد پیر ما | چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما — حافظ

خواجہ صاحب کا مطلع ہر پہلو سے خواجو کے مطلع سے بڑھا ہوا ہے۔ اور یہ محتاج اظہار نہیں

خواجو — گر شدیم از بادہ، بدنام جہاں تدبیر چیست | ہمچنیں رفتست از روز ازل تقدیر ما

حافظ — در خرابات مغاں ما نیز ہمدستاں شدیم | کایں چنیں رفتست از روز ازل تقدیر ما

خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہے، اور افسوس ہے کہ کچھ بھی ترقی نہیں کی، دوسرا مصرع تو حرف حرف خواجو ہی کا مصرع ہے، پہلا مصرع خواجو کا زیادہ برجستہ ہے اور صاف اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سے آیا ہے خواجہ صاحب نے یہ حسن بھی کھو دیا، خواجو کے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ شراب نے اگر ہمکو رسوا کر دیا تو علاج کیا تقدیر یونہی تھی، خواجہ صاحب کہتے ہیں ہمکو بھی مغوں کا ساتھ دینا پڑا۔ تقدیر میں یہی لکھا تھا خواجہ صاحب کو مضمون کے لحاظ سے بھی ترجیح نہیں۔

خواجو — تا دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم | ای بسا عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما

عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است | عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما — حافظ

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے یہ بات اضافہ کی کہ عاقلوں کے دیوانہ زنجیر ہونے کی وجہ ظاہر کر دی یعنی یہ کہ زلف کی قید کس قدر پر لطف ہے اسکے علاوہ خواجہ صاحب کا پہلا مصرع

زیادہ صاف اور ڈھلا ہوا ہے لیکن خواجو کے مصرع میں ایک خاص نکتہ ہے جو خواجہ صاحب کے یہاں نہیں، خواجو کہتا ہے کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلف میں پھنس گیا، یہ وہ زنجیر ہے کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بن گئے جس سے اسبات کی معذرت نکلتی ہے کہ جب عقلا اس زنجیر میں پھنستے ہیں تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہے۔ اسکے علاوہ دیوانوں کو عموماً زنجیر میں باندھتے ہیں اس لئے دل کا زلف میں گرفتار ہونا قدرتی بات تھی، خواجہ صاحب نے دلکی دیوانگی کا کچھ ذکر نہیں کیا اسلئے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ نہیں، خواجو کے ہاں عاقل و دیوانہ کے لفظی تقابل نے جو لطف پیدا کیا ہے خواجہ صاحب کے یہاں وہ بھی نہیں۔

خواجو — از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو / کز کماں نرم زخمش سخت باشد تیر ما

تیر آہ ما ز گردوں بگذرد جاناں خموش / رحم کن بر جان خود، پرہیز کن از تیر ما — حافظ

مضمون وہی خواجو کا ہے، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہیں دی، بلکہ اسکے لطف کو کم کر دیا، خواجو نے معشوق سے صرف اس قدر کہا تھا کہ "غافل مشو"، خواجہ صاحب۔ خاموش اور رحم کن بر جان خود سے معشوق کو خطاب کرتے ہیں جو آداب عشق کے بالکل خلاف ہے

خواجو — ایا صبا خبرے کن مرا ازاں کہ تو دانی / بداں زمین گذرے کن بداں مکاں کہ تو دانی / چو مرغ دل بطیراں آئی و چوں بہ اوج رسی / نزول ساز دراں آشیاں کہ تو دانی / چناں مرو کہ غبارے بدور سد گذرت / بداں طرف چو رسیدی چناں بداں کہ تو دانی

نسیم صبح سعادت بر آں نشاں کہ تو دانی — حافظ / گذر بکوئے فلاں کن دراں زماں کہ تو دانی / تو پیک حضرت شاہی مراد دیدہ بہ راہ است / بہ مردمی نہ بفرماں ببر براں کہ تو دانی / بگو کہ جان ضعیفم ز دست رفت خدارا / ز لعل روح فزایت ببخش آں کہ تو دانی / من ایں دو حرف نوشتم چناں کہ غیر ندانست / تو ہم ز روی کرامت بخواں چناں کہ تو دانی

دونوں نے صبا کو قاصد بنایا ہے اور اسکو ہدایتیں کی ہیں، خواجو نے صبا کو مرغ سے

اور معشوق کے گھر کو آشیانہ سے تشبیہ دیکر بدمزگی پیدا کردی لیکن آخر کا شعر نہایت لطیف ہے یعنی اے صبا اس طرح آہستہ اور مودب جانا کہ گرد تک نہ اُٹھنے پائے، اور بتانے کی کیا حاجت ہے؟ تو تو خود آداب دان ہے جیسا مناسب سمجھنا کرنا۔

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجستہ ہے، صبا کے بجائے نسیم اور اسپر صبح سعادت کی قید نے لطف پیدا کردیا ہے۔ خواجو کے مصرع میں جو زمین زماں کا لفظی تناسب تھا تکلف سے خالی نہ تھا اسلئے خواجہ صاحب نے اس کو اڑادیا بداں زمین "کی بجائے بہ کوئے فلاں" کا کنایہ زیادہ لطیف ہے، کہتے ہیں کہ تو شاہی قاصد ہے، میں تجکو حکم نہیں دے سکتا البتہ مروت اور انسانیت کے اقتضاء سے توقع رکھتا ہوں، آخیر شعر اور زیادہ پرمزہ ہے معشوق سے کہتے ہیں کہ میں نے یہ دو سطریں اس طرح چھپا کر لکھی ہیں، کہ غیروں کو خبر نہیں ہونے پائی، تم بھی اسی طرح پڑھنا جیسا مناسب ہو، یعنی کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

خواجو — دل دریں پیرزن عشوہ گر دہر مبند
کیں عروسیست کہ در عقد بسی داماد است

حافظ — مجو درستی عہد از جہاں بے بنیاد
کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است

مضمون وہی ہے لیکن خواجہ صاحب کی بندش میں ذرا حسن ہے، پہلے مصرع میں صرف اسقدر کہنا چاہئے کہ دنیا میں دل نہ لگاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہئے کہ یہ ایک ایسی عجوزہ ہے جو ہزاروں کے نکاح میں ہے خواجو نے پہلے ہی کہہ دیا کہ عجوزہ دہر سے دل نہ لگاؤ حالانکہ جب پہلے ہی عجوزہ کہدیا تو اس دلیل کی ضرورت نہیں رہی کہ وہ کثیر الازدواج ہے کیونکہ بڑھیا سے یوں ہی انسان کو محبت نہیں ہوتی، خواجہ صاحب نے پہلے دنیا کی برائی کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ نفرت کی دو وجہیں بتائیں یعنی یہ بڑھیا ہے، اور کثیر الازدواج بھی ہے

خواجو — منزل از یار قریب است چہ دوزخ چہ بہشت
سجدۂ گر بہ نیاز است چہ مسجد چہ کنشت

حافظ — ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست
ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہے، اول تو خواجو نے مطلع میں جس میں قافیہ کی

پابندی ہو جاتی ہے ایسے وسیع مضمون کو ادا کیا ہے اسکے ساتھ دونوں عالم کی دونوں چیزیں لیں یعنی دوزخ اور بہشت، مسجد اور کنشت ان سب کے علاوہ مسجد کی تنکیر اور تعمیم اور نیاز کی قید نے جو لطف پیدا کیا ہے خواجہ صاحب کے ہاں مطلق نہیں، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور گرجا دونوں عشق کے گھر ہیں اور ایک ہی چیز ہیں خواجو دونوں کو مخالف کر کے کہتا ہے کہ سجدۂ نیاز وہ چیز ہے کہ مخالف اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سجدۂ نیاز گرجا میں بھی ادا کیا جائے تو مسجد بن جائے۔

خواجو
کے بر کنم دل از رخ جاناں کہ مہر او
با شیر در دل آمد و با جان بدر شود

حافظ
عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم
با شیر در بدن شد و با جان بدر شود

خواجہ صاحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہے محتاج اظہار نہیں۔

خواجو اور خواجہ صاحب کی غزلیں اکثر ہم طرح ہیں اختصار کے لحاظ سے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں خواجہ صاحب نے سلمان کی اکثر غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں جن میں کہیں سلمان کی تقلید کی ہے کہیں سلمان کے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرایہ میں ادا کیا ہے کہیں سلمان کے آئینہ کو زیادہ جلا دیدی ہے

سلمان
آوازۂ جمالت تا در جہاں فتادہ
خلقے بہ جستجویت سر در جہاں نہادہ

حافظ
عید است و موسم گل ساقی بیار بادہ
ہنگام گل کہ دید است بے مے قدح نہادہ

دونوں مطلع بالکل الگ الگ ہیں ان میں کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا۔

سودای زہد خشکم بر باد دادہ حاصل
مطرب بزن ترانہ، ساقی بیار بادہ

گل رفت اے حریفاں غافل چرا نشینید
بے بانگ رود و چنگے بے یار و جام بادہ

سلمان کا دوسرا مصرع نہایت برجستہ اور مستانہ ہے

مائیم بستہ دل را در لعل دلکشایت
آں لب بہ خندہ بکشا تا دل شود کشادہ

زیں زہد و پارسائی بگرفت خاطر من
ساقی پیالہ دہ تا دل شود کشادہ

صنعت اضداد کا دونوں نے لحاظ رکھا ہے لیکن سلمان کے الفاظ زیادہ صاف ہیں یعنی بستن و کشادن گرفتن اور کشادن میں بھی گو یہی صنعت ہے لیکن گرفتن کے یہ اصلی معنی نہیں ہیں بلکہ محاورہ نے یہ معنی پیدا کئے ہیں اسکے علاوہ دل کے کھلنے کی توجیہ سلمان نے لفظاً اور معنیً دونوں لحاظ سے زیادہ روشن ہے یعنی تو لب کھول تو ہمارا دل بھی کھلے کیونکہ ہمارا دل تیرے لبوں میں بندھا ہوا ہے، پیالہ سے دل کھلنے میں یہ بات نہیں۔

سودائیان زلفت گرد تو حلقہ بستہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ در مجلس صبوحی، دانی؟ چہ خوش نماید

سلمان ‏ ‏ شوریدگان موئت دریکدگر فتادہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ عکس عذار ساقی بر جام مے فتادہ ‏ ‏ حافظ

مضمون کے لحاظ سے دونوں شعر الگ الگ ہیں، البتہ قافیہ مشترک ہے اور سلمان کے ہاں اچھا بندھا ہوا ہے، یوں بھی سلمان کا شعر اچھا ہے۔

شیخ سعدی کے جواب میں بھی گو اکثر غزلیں ہیں لیکن درحقیقت دونوں کے راستے الگ الگ ہیں اسلئے ان میں موازنہ نہیں ہو سکتا تاہم متعدد مضامین خواجہ صاحب نے شیخ سعدی سے لئے ہیں لیکن انکے اسلوب کو اس طرح بدل دیا ہے کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ موتی انہی قطروں سے بنے ہیں، مثالیں جدت اسلوب کے عنوان میں آئیں گی،

خواجہ صاحب کی خصوصیات

تم نے دیکھا! خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفوں سے طرحی غزلوں میں چنداں بلند رتبہ نہیں ہیں، انکی شاعری کے مہمات مضامین بھی ان کا ذاتی سرمایہ نہیں، بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہیں، بایں ہمہ انکی غزلوں نے دنیا میں غلغلہ برپا کر دیا، اُنکے آگے سعدی خسرو خواجو سلمان کی آوازیں بالکل پست ہو گئیں اس کا کچھ سبب ہوگا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہیں یہ خصوصیات اگرچہ درحقیقت ذوقی اور وجدانی ہیں جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہیں تاہم جس قدر ضبط تحریر میں آسکتا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی شاعری میں متعدد ایسی باتیں جمع ہو گئی ہیں جنکا

مجموعہ اعجاز بن گیا ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لیں تو اوروں کے
ہاں نکل آئے لیکن خواجہ صاحب کا کلام ع "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہے،
انمیں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اوروں کے کلام میں اس درجہ تک نہیں پائے جاتے مثلاً
روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی مابہ الامتیاز ہے لیکن یہ ایسی چیز ہے
جسکے مدارج کی حد نہیں ممکن ہے کہ ایک شعر خود نہایت رواں اور صاف اور شستہ ہو لیکن ایک
اور شعر اس سے بھی بڑھکر ہو، اور اس سے بھی بڑھکر کوئی اور شعر ہو جس طرح نغمہ اور حسن کے انکے
مدارج ترقی کی کوئی حد نہیں، ایک اور چیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایاں وصف ہے
جوش بیان ہے، اسی طرح تنوع مضامین بھی ان سے پہلے اس قدر نہ تھا چنانچہ ہم انکے
کلام کے تمام اوصاف کو الگ الگ عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

جوش بیان

فارسی شاعری باوجود ہزاروں گوناگوں اوصاف اور خیالات کے جوش بیان سے خالی ہے فردوسی اور نظامی کے ہاں خاص خاص
موقعوں پر جوش بیان کا پورا زور ہے لیکن وہ اوروں کے خیالات اور واردات ہیں، خود
شاعر کے حالات اور جذبات نہیں، بخلاف اسکے خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود
انکے واردات اور حالات ہیں اسلئے ان کو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ ایک عالم
چھا جاتا ہے جوش بیان کے لئے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہیں، ہر مضمون اور
ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جاسکتا ہے البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتیں بدل جاتی
ہیں مثلاً شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہے تو اس انداز سے کرتا ہے کہ گویا آپے سے باہر ہوا
جاتا ہے قہر اور غضب کا بیان ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی
کا تذکرہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم ہیچ ہے غصہ و غضب کا مضمون ہے تو نظر آتا ہے
کہ منہ سے انگارے برس رہے ہیں۔

خواجہ صاحب نے سینکڑوں گوناگوں خیالات ادا کئے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہے ان

جوش کیسا کیا ہی کہ سننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہی جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہوتا ہے۔

اعتمادے نیست بر دور جہاں | بلکہ بر گردون گردان نیز ہم
سر مو مجلس جمشید گفتہ اند این بود | کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند
حلقہ پیر مغانم ز ازل در گوش است | ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود
در نمازم خم ابروے تو ام یاد آمد | حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد
از صدیث سخن عشق ندیدم خوشتر | یادگاری کہ دریں گنبد دوار بماند
بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشنو | اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن
می ترسم از خرابی ایمان کہ مے برد | محراب ابروے تو حضور نماز من
زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب | مارا بہ جام بادہ گلگوں خراب کن
فیض روح القدس ار باز مدد فرماید | دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد
ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم | از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
داستاں در پردہ مے گویم ولے | گفتہ خواہد شد بہ دلستان نیز ہم
محتسب داند کہ حافظ مے خورد | آصف ملک سلیماں نیز ہم
رنگ و تزویر پیش ما نبود | شیر سرخیم و افعی سیہیم
گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر | تا سحر گہ ز کنار تو جواں برخیزم
ای نور چشم من سخنے ہست گوش کن | تا ساغرت پر است بنوشان و نوش کن
بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات | با دردکشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد
سوز آہ و سینہ سوزاں من | سوختہ این افسردگان خام را

جوش بیان کا اصلی موقع وہاں آتا ہے جہاں کسی خاص جذبہ کا اظہار کرنا ہوتا ہے
مثلاً رنج و غم فخر ناز غیظ و غضب عشق و محبت،
خواجہ صاحب پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب تھا اس لیے تمام کلام میں یہ جذبہ

زمانہ کی بے اعتباری

استقلال و ثابت قدمی

وجد ذوق

افسانۂ عشق کی دلاویزی

واعظوں کی وانہ اور پندار کی تحقیر

مستی کی تمنا

کہ ان کا کسی پر محدود نہیں

ہمہ تن وفا و محبت ہونا

اعلان راز

ظاہر و باطن یکساں ہونا

اقرار

معشوق کی رنج جو دو کردگی بر تخیلہ

عزیزوں کے شانے

انجام

سوز دل کا اثر

شوخی کا اظہار

اس جوش اور زور کیساتھ پایا جاتا ہے کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی اسکے اندازہ کرنے کیلئے پہلے ایک رند سرمست کی حالت کا تصور باندہو کہ جب وہ مستی کے جوش وخروش میں ہوتا ہے تو اسکے دلمیں کیا کیا خیالات آتے ہیں وہ مزے میں آکر بکتا ہے کہ مجکو نام و ننگ کی کچھ پرواہ نہیں ساقی پیالے پر پیالہ دئے جا اور کسی سے نہ ڈر زاہد کیا جانتا ہے کہ جام میں کیا کیا گوناگوں عالم نظر آتے ہیں مطرب سے کہتا ہے یہ ترانہ گائے کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہے کل خاک میں جانا ہے آج کیوں نہ عالم میں غلغلہ ڈالوں تم مجھے حقیر سمجھتے ہوں شرابخانہ میں آؤ تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہے؟ میرے ہاتھ میں جو پیالہ ہے وہ جمشید کو بھی نصیب نہوا ہوگا میں شراب آج سے نہیں پیتا مدت سے آسمان اس غلغلہ سے گونج رہا ہے صوفی اور واعظ راز دانی کی شیخیاں بگھارتے ہیں، حالانکہ جو کہتے ہیں مجھی سے سن لیا تھا یہ عالم لطف اٹھانے کیلئے کافی نہیں آؤ آسمان کی چھت توڑکر ایک نیا عالم بنائیں خواجہ صاحب ان خیالات کو اسی جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس طرح ایک سرمست کے دلمیں آتے ہیں، ابھی یہ بحث چھوڑ دو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہے یا انگور کی مستی دونوں میں ہے اور یہاں صرف مستی سے غرض ہے۔

بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم ؛ فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم ؛ آؤ پھول برسائیں اور شراب پیالہ میں ڈالیں ، آسمان کی چھت توڑ ڈالیں اور نئی بنیاد ڈالیں اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقان ریزد ؛ من و ساقی بهم سازیم و بنیادش براندازیم ؛ اگر غم عاشقوں کے مقابلہ کیلئے فوج تیار کرے تو ہم اور ساقی دونوں ایکا کرکے اسکی جڑ اکھاڑ کر پھینکدیں ؛ چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش ؛ که دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم ؛ رند مزے میں آکر جب گاتا ہے تو دونو طرف ہاتھ جھٹکتا ہے پاؤں زمین پر دے دے مارتا ہے سر کو دائیں بائیں جھٹکے دیتا ہے یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہے

ساقی به نور باده برافروز جام ما ؛ مطرب بگو که کار جهان شد بکام ما ؛ ما در پیاله عکس رخ یار دیده ایم ؛ ای بیخبر ز لذت شرب مدام ما

ساقیا برخیز و در ده جام را ؛ خاک بر سر کن غم ایام را ؛ گرچه بدنامی است نزد عاقلان ؛ ما نمی خواهیم ننگ و نام را ؛

تا ز میخانه و می نام و نشان خواهد بود ؛ سر ما خاک ره پیر مغان خواهد بود ؛ حلقه پیر مغانم ز ازل در گوش است ؛ ما همانیم که بودیم و همان خواهد بود

بر سر تربت ما چو گذری همت خواه ؛ که زیارتگه رندان جهان خواهد بود ؛ عاقبت منزل ما وادی خاموشان است ؛ حالیا غلغله در گنبد افلاک انداز

حاصل کارگه کون و مکان اینهمه نیست[1] ؛ باده پیش آر که اسباب جهان اینهمه نیست ؛ ساقی بیار باده و با مدعی بگو ؛ انکار ما مکن که چنین جام جم نداشت

خوش وقت رند مست که دنیا و آخرت ؛ از دست داد و هیچ غم بیش و کم نداشت ؛ ما می به بانگ چنگ نه امروز میخوریم ؛ بس دیر شد که گنبد این صدا شنید

[1] یعنی کچھ ایسی کائنات نہیں ؛ ۱۲ —

سر خدا که عارف و سالک بکس نگفت — در حیرتم که باده‌فروش از کجا شنید

ساقی بیا که عشق ندا می‌کند بلند — کآن کس که گفت قصهٔ ما هم ز ما شنید

من ترک عشق‌بازی و ساغر نمی‌کنم — صد بار توبه کردم و دیگر نمی‌کنم

من رند و عاشق و آنگاه توبه — استغفرالله استغفرالله

ما زهد و تقوی کمتر شناسیم — یا جام باده یا قصه کوتاه

شراب و عیش نهان چیست کار بی‌بنیاد — زدیم بر صف رندان و هرچه بادا باد

سخن درست بگویم نمی‌توانم دید — که می خورند حریفان و من نظاره کنم

گدای میکده‌ام لیک وقت مستی بین — که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم

نه قاضیم نه مدرس نه مفتیم نه فقیه — مرا چه کار که منع شرابخواره کنم

با من خاک‌نشین خیز و سوی میکده آی — تا ببینی که در آن حلقه چه صاحب‌جاهم

ای خوشا حالت آن مست که در پای حریف — سر و دستار نداند که کدام اندازد

خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن — چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن

پیر میخانه چه خوش گفت معمای دوش — از خط جام که فرجام چه خواهد بودن

باده خور غم مخور و پند مقلد مشنو — اعتبار سخن عام چه خواهد بودن

غم دنیای دنی چند خوری باده بخور — حیف باشد دل دانا که مشوش باشد

ساقی بیا که شد قدح لاله پر ز می — طامات تا بچند و خرافات تا به کی

شیخم به طنز گفت حرام است می مخور — گفتم به چشم گوش به هر خر نمی‌کنم

که برد به نزد شاهان ز من گدا پیامی — که به کوی می‌فروشان دو هزار جم بجامی

صبح است ژاله می‌چکد از ابر بهمنی — برگ صبوح ساز و بده جام یک منی

ساقی بهوش باش که غم در کمین ماست — مطرب نگاه دار همین ره که می‌زنی

بیا که رونق این کارخانه کم نشود — ز زهد همچو تویی یا ز رندی چو منی

امروز زہد و توبہ و طامات نیستم — بابا بہ جام بادۂ صافی خطاب کن
زاں پیشتر کہ عالم فانی شود خراب — مارا بہ جام بادۂ گلگوں خراب کن

یہ مضامین کہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے اسکے لئے جھگڑوں میں پڑنے سے کیا حاصل کھاؤ پیو لطف اٹھاؤ اور دنیا سے گذر جاؤ، سو سو طرح بندھ چکے ہیں، اور خیام کی تمام شاعری کی کائنات یہی ہے لیکن خواجہ صاحب کے یہاں جو جوش بیان پایا جاتا ہے، فارسی شاعری اس سے خالی ہے

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش — کہ تا لختے بیاسایم ز دنیا و شر و شورش
کمند صید بہرامی بیفگن جام مے بردار — کہ من پیمودم ایں صحرا نہ بہرام است نے گورش

مئے دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ — ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے — فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے
من ایں مقام بہ دنیا و آخرت ندہم — اگرچہ درپیم افتند خلق انجمنے

دنیا کی شان و شوکت جاہ و جلال دھوم دھام ان کو للچانا چاہتے ہیں لیکن انکے دل سے یہ صدا آتی ہے کہ تا کے؟ یہ نیرنگیاں کب تک؟ اس جھوٹے طلسم کیلئے زندگی کو کیوں آلودہ کیا۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار — چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

حاصل کارگہ کون و مکاں ایں ہمہ نیست — بادہ پیش آر کہ اسباب جہاں ایں ہمہ نیست
بیفشاں جرعۂ بر خاک و حال اہل شوکت بیں — کہ از جمشید و کیخسرو ہزاراں داستاں دارد

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد وزد — کہ ایں سخن بہ مثل باد با سلیماں گفت

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اس قدر چھا گیا تھا کہ بوریائے فقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا، خود اس خیال میں مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اٹھائیں وہ مناظر قدرت سے بہار سے آب رواں سے سبزہ و مرغزار سے لطف اٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ . . .

خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کی تعلیم دیتے تھے، یونان میں اپیکورس کی بھی یہی تعلیم تھی، لیکن وہ فلسفی تھا اسلئے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ

کے انداز میں کہتا تھا خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے اسلئے انہوں نے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اصلی کمال ہے

عید است ساقیا قدحی پر شراب کن　　　دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

بنوش باده که ایام غم نخواهد ماند　　　چنان نماند چنین نیز هم نخواهد ماند

دمی با غم بسر بردن جهان یکسر نمی ارزد　　　بمی بفروش دلق ما کزین بهتر نمی ارزد

شکوه تاج سلطانی که بیم جان درو درج است　　　کلاه دلکش است اما بدردسر نمی ارزد

غم دنیای دنی چند خوری باده بخور　　　حیف باشد دل دانا که مشوش باشد

خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن　　　چون خبر نیست کانجام چه خواهد بودن

بہار سے لطف اٹھاتے ہیں

نفس باد صبا مشک فشان خواهد شد　　　عالم پیر دگرباره جوان خواهد شد

ارغوان جام عقیقی بسمن خواهد داد　　　چشم نرگس بشقایق نگران خواهد شد

مطربا مجلس انس است غزل خوان و سرود　　　چند گوئی که چنین است چنان خواهد شد

بلبل ز شاخ سرو بگلبانگ پهلوی　　　می خواند دوش درس مقامات معنوی

مرغان باغ قافیه سنجند و بذله گو　　　تا خواجه می خورد بغزل‌های پهلوی

در پشتم و گدا و برابر نمی کنم　　　پشمین کلاه خویش بصد تاج خسروی

خوش فرش بوریا و گدائی و خواب امن　　　کین عیش نیست درخور اورنگ خسروی

آخر الامر گل کوزه گران خواهی شد　　　حالیا فکر سبو کن که پر از باده کنی

ای که در کوی خرابات مقامی داری　　　جم وقت خودی ار دست بجامی داری

ای که با زلف و رخ یار گذاری شب و روز　　　فرصتت باد که خوش عیش دوامی داری

می خواه و گل افشان کن از دهر چه می جوئی　　　این گفت سحرگه گل بلبل تو چه می گوئی

مسند بہ گلستان بر شہ بدر ساقی را | لب بگیر و می خور و بوسی می تو نمی گل بوئی

خواجہ صاحب نے اس خاص کمال جوش بیان کا اندازہ اس وقت اچھی طرح ہو سکتا ہے جب انہی مضامین کے متعلق اور اساتذہ کے کلام کا موازنہ کیا جائے نمونہ کیلئے ہم صرف چند شعروں پر اکتفا کرتے ہیں

رندی و عاشقی و قلاشی	عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش حافظ
سلمان ہیچ ننگ نیست کہ در ما ہمہ ہست	تا بدانی کہ بہ چندین ہنر آراستہ ام
دردان صافی از اہل صلاح و زہد مجوی	راز درون پردہ ز رندان مست پرس
کایں نشانۂ رندان دردی آشام است	کیں حال نیست صوفی عالیمقام را حافظ
سلمان مکن ملامت رندان و گر بہ بدنامی	گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں
کہ ہر چہ پیش تو ننگ است نزد ما نام است	ما نمی خواہیم ننگ و نام را
غرض از کعبہ و بت خانہ توئی سلمان را	جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو
چکنم خانہ بے خانہ خدا باید رفت	خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم
من از آن روز کہ در بند توام آزادم	فاش می گویم و از گفتہ خود دلشادم
پادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم	بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
ای گنج نو شدار و بخستگان نظر کن	یارب ایں با کہ تو آں گفت کہ آں نوشین لب
مرہم بدست ما مجروح می گذاری	کشت مارا و دم عیسی مریم با اوست

بدیع الاسلوبی یعنی جدت خوبی ادا

اکثر مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آتے تھے یا بندھے نہ تھے لیکن بجائے خود معمولی مضمون تھے جن میں کوئی دلفریبی نہ تھی خواجہ صاحب کے حسن اسلوب اور جدت ادا نے اس کو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا ہے، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور سرشار اور مست کہتے ہیں خواجہ صاحب اسی بات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں۔

نرگس کہ بدید چشم او گفت — کو محتسبے کہ مست گیرد ؏

یعنی جسنے اسکی آنکھ دیکھی بول اٹھا کہ کہیں محتسب نہیں کہ مست کو گرفتار کرے
معشوق کی زلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہے خواجہ صاحب اسکو اسطرح ادا کرتے ہیں

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد — صبا حکایت زلف تو درمیاں انداخت

یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے کہ تصویر کھینچ دی ہے، بنفشہ گویا ایک حسین اور جمیلہ ہے اسکی زلفیں نہایت خوبصورت اور گھونگروالی ہیں، وہ بڑے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوٹی میں گرہ لگا رہی ہے اتنے میں صبا کہیں سے آنکلی اسنے معشوق کی زلفوں کا ذکر چھیڑ دیا، بنفشہ عین غرور و ناز کی حالت میں شرما کر رہ گئی جدت میں جدت یہ ہے کہ نتیجہ یعنی بنفشہ کا شرمندہ ہوجانا بیان نہیں کیا کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہیں

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو وہ شراب وغیرہ استعمال نہیں کرتا تاہم چونکہ اسکی فتوحات اور نذور ریا اور زور کے ذریعہ سے ہاتھ آتی ہیں اسلئے وہ بھی حرام سے کم نہیں اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی میرے آب حرام (شراب) سے بازی نہ لے جا سکے جدت اسلوب کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے،

ترسم سے دکھانا ہے کہ میں اسبات کو بطور شماتت کے نہیں کہتا بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے مجکو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو قیامت کو بازخواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہے

نان حلال اور آب حرام کے مقابلے علاوہ صنعت تضاد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے اصل مضمون کو نہایت بلیغ کر دیا ہے یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونیکے میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے تو زاہد کیلئے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد　　که می حرام ولے بہ ز مال اوقاف است

اس طرزِ ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو۔ اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مال وقف سے بہر حال اچھی ہے خود فقیہ کی زبان سے اقرار کرایا ہے اسکے ساتھ مست کی قید لگا دی ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ فقیہ سچی بات کا اظہار یوں کیا ہے کہ چونکہ مست تھا اسکے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جو دل میں تھا زبان سے کہہ گیا۔

زاہد خدا کا تصور جو دلوں میں قایم کراتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ مجسم قہر و غضب ہے ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا رہتا ہے اور نہایت بے رحمانہ سزائیں دیتا ہے لیکن اہل نظر کے نزدیک خدا سر تا پا لطف اور رحم ہے۔ اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں

پیر دُردی کش ما گرچہ ندارد زر و زور　　خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد

خدائے کی تنکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہے، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہے زاہد وغیرہ سے اس سے مطلق شناسائی نہیں۔ یہ مضمون کہ میں نے معشوق کا انتخاب ایسی دیدہ وری سے کیا کہ ہر شخص نے اسکی داد دی، اسکو یوں ادا کرتے ہیں

ہر کس کہ دید روی تو بوسید چشم من　　کارے کہ کرد دیدۂ من بے بصر نہ کرد

یعنی جسنے تیرا چہرہ دیکھا میری آنکھیں چوم لیں کہ کیا عمدہ انتخاب ہے، میری آنکھ نے جو کام کیا دیکھ بھال کے کیا، شاہد بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہیں، عام مضمون ہے سعدی فرماتے ہیں

گر کند میل بہ خوباں دلِ من خردہ مگیر　　کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور لطیف اسلوب سے ادا کرتے ہیں،

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ　　ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

شعر کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ میں اگرچہ گنہگار اور نالایق ہوں لیکن خدا کا شکر ہے کہ شہر میں اچھے لوگ پاکیزہ اخلاق ہیں جنکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اوروں پر نہ پڑے گا لیکن حقیقت میں یہ اوروں پر در پردہ چوٹ ہے سعدی نے کھلے لفظوں میں کہدیا خواجہ صاحب

کنایۃً ادا کرتے ہیں۔ خدا کے عفو کے بھروسے پر شراب پینے کی جرأت اس پیرایہ میں دلاتے ہیں

بیار بادہ بخور زاں کہ پیر میکدہ دوش   بسے حدیث غفور و رحیم و رحمٰن گفت

اس موقع پر خدا کے متعدد نام جن سے رحم اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہے لالا کس قدر بلاغت ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اس انداز میں ادا کرتے ہیں

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود   کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

مطلب ہے کہ دنیا کا کچھ اعتبار نہیں اسلئے یہ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں گذار دو کل خدا جانے کیا ہوگا اس مضمون کیلئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، عیش اور کامیابی میں جمشید سب سے نام آور ہے تاہم خود اسکی مجلس میں یہ راگ گایا جاتا تھا اس سے بڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا کیا ثبوت ہوگا جمشید کا نام اس بے حقیقتی سے لینا کہ القاب و خطاب ایکطرف پورا نام بھی نہیں اس مضمون کو نہایت باثر کر دیتا ہے

شرم از آں چشم سیہ بادش و مژگان دراز   ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است

اس مضمون کے ادا کرنے کا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا ہے اگر معشوق کو دیکھ لیتا تو اعتراض سے باز آتا اسکو یوں ادا کیا ہے کہ جو شخص میرے دل باختگی پر اعتراض کرتا ہے اسکو معشوق کی آنکھ اور مژگان سے شرم نہیں آتی یعنی مجھ پر اعتراض کرنا گویا آنکھوں کی دلربائی سے انکار کرنا ہے

یارب بہ کہ بتوان گفت این نکتہ کہ در عالم   رخسارہ بہ کس ننمود آں شاہد ہرجائی

اس مضمون کو کہ شاہد مطلق (خدا) کا جلوہ اگرچہ ایک ایک ذرہ میں چمکتا ہے لیکن اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، کس بدیع اسلوب سے ادا کیا ہے یعنی کس قدر تعجب ہے کہ ہرجائی بھی ہے اور آجتک کسی نے اس کو دیکھا بھی نہیں وصالی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا

لسے کہ در ہیچ خانہ واری جا   بو العجب ماندہ ام کہ ہرجائی

لیکن خواجہ صاحب کی طرز ادا میں لطافت کے علاوہ اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے۔

بدیع الاسلوبی کے اچھی طرح سمجھہ میں آنے کیلیے ہم چند مثالیں لکھتے ہیں جسنے ظاہر ہوگا
کہ ایک مضمون جو کسی اور استادونے باندھا تھا خواجہ صاحب نے اپنے خوبی ادا سے اسکو کس قدر بلند رتبہ کردیا ہی

سعدی
توگرچہ امیری و ما فقیریم
دل داری دوستاں ثواب است

حافظ
در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست
ای بادشاہ حسن سخن با گدا بگو

سعدی
ای بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم
تو عشق گلے داری من عشق گل اندامی

حافظ
بنال بلبل اگر با منت سر یاری است
کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است

شیخ صاحب کہتے ہیں کہ "بلبل اگر تو رونے پر آمادہ ہو تو میں بھی تیرا ساتھہ دینے کو موجود ہوں مجکو
تجھہ سے ہمدردی کی یہ وجہ ہے کہ تو گل پر عاشق ہے اور میرا معشوق بھی گل اندام ہے" غرض
شیخ نے ہمدردی کی وجہ، معشوق کا ایک گونہ اشتراک قرار دیا ہے لیکن یہ پہلو نزاہت اور غیرت سے
ذرا ہٹا ہوا ہے اسلیے خواجہ صاحب ہمدردی اسکو نہ سے صرف عشق کی شرکت قرار دیتے ہیں معشوق
کے اشتراک سے کوئی تعلق نہیں اسکے ساتھہ خود بلبل کے پیرو نہیں بنتے بلکہ بلبل کو اپنا بناتے ہیں "دو"
کے لفظ پر جو زور دیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عشق کے دعویدار صرف دو ہی ہوسکتے ہیں عاشق
اور بلبل ان باتوں کے ساتھہ زارا ور زاری کے اجتماع اور مطلع ہونے نے شعر کو نہایت بلند پایہ کردیا ہی

سعدی
ای گنج نوشدارو بر خستگاں نظر کن
مرہم بدست و مارا مجروح می گذاری

حافظ
چہ عذر از بخت خود گویم کہ آں عیار شہر آشوب
بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہاں دارد

خواجہ صاحب نے شیخ کے مضمون کا پیرایہ کس قدر لطیف کردیا ہے۔

سلمان
رندی و عاشقی و قلاشی
ہیچ شک نیست کہ در ہمہ ہست

حافظ
عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
تا بدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام

چستی بندش اور جوش بیان کے علاوہ سلمان صرف یہ کہتے ہیں کہ مجھہ میں یہ سب

باتیں ضرور ہیں اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان باتوں پر ان کو فخر ہے یا ندامت خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پائے جانے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ ان کو باعث ناز قرار دیتے ہیں ع

تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام

حافظ	سلمان
گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں	مکن ملامت رنداں وگر بہ بدنامی
مانمی خواہیم ننگ و نام را	کہ ہر چہ پیش تو ننگ است نزد ما نام است

سلمان کہتے ہیں کہ ہمکو ملامت نہ کرو کیونکہ جس چیز کو تم ننگ سمجھتے ہو وہی ہمارے نزدیک ناموری کی بات ہے، اس مضمون میں یہ نقص ہے کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہے کہ ان کو نام کی خواہش ہے گو وہ نام اوروں کے نزدیک ننگ ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمکو نام ننگ سے سرے سے غرض ہی نہیں اور رندی کی یہی شان ہے۔

حافظ	سلمان
شاہد آں نیست کہ موے و میانے دارد	شاہد آں نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل
بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد	شاہد آں است کہ این دارد و آنے دارد
	دیدہ ام طلعت زیباش کہ آنے دارد
	این ہمہ شیفتہ من از پے آں میگردم

اصل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب اعضاء کا نام نہیں بلکہ اصلی چیز ناز اور انداز ہے سلمان نے اس مضمون کو جس طرح ادا کیا اس میں ایک اور لفظی خوبی یعنی این و آں کا مقابلہ شامل کر دیا جس سے اصل مضمون کا زور بٹ گیا اسلئے خواجہ صاحب نے اصل مضمون کو صنعت لفظی سے بالکل الگ کر کے بیان کیا لیکن این و آں کا لطف بھی ہاتھ سے دینے کے قابل نہ تھا اسلئے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ نمایاں پیرایہ میں ادا کیا۔

این کہ می گویند آں بہتر ز حسن   یار ما این دارد و آں نیز ہم

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں، ہم کو صرف نمونہ دکہانا مقصود تھا۔

ان جزوی اسالیب سے قطع نظر کرکے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جن مضامین کو زیادہ تر باندھا ہے وہ شراب کی تعریف، رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی بے ثباتی، واعظوں اور زاہدوں کی پردہ دری ہے ان میں سے ہر مضمون کے ادا کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا اور یہی وجہ ہے کہ انہی مضامین پر اور اساتذہ کے سینکڑوں ہزاروں اشعار موجود ہیں لیکن عام محفلوں میں خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانوں پر ہیں

واردات عشق

خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف انواع کو لیا ہے اور ہر نوع کو اعلی رتبہ پر پہونچایا ہے لیکن ان کی اصلی شاعری عشق و عاشقی اور رندی و سرمستی ہے، رندانہ مضامین وہ جس آزادی رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں اسکی تفصیل جوش بیان کے عنوان میں گذر چکی عشقیہ مضامین سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہے لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکہنا چاہئے (جیسا کہ ہم ابتدا میں لکہ آئے ہیں) کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درد سے کم تعلق رکہتے ہیں، وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے اسلئے عشق و عاشقی سے ان کو وہیں تک تعلق ہے جہاں تک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے، وہ ناامیدی حسرت، یاس وغیرہ کچھ لکہتے ہیں تو محض تقلید ہوتی ہے، وہ غمگین منہ بنانا بھی چاہتے ہیں تو چہرہ سے شگفتگی نہیں جاتی، اس بنا پہ وہ شوق، ناز و نیاز، بوس کنار، بزم آرائی مجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کرسکتے ہیں، وہ اس قسم کا عشق نہیں کرتے کہ کسی کے پیچھے زندگی برباد کردیں گلیوں میں پڑے پھریں ان کا عشق ہی لطف نظر ہے اچھی صورت سامنے آئی دیکھہ لی دل تازہ ہوگیا، پاس بیٹھ گئے ہمزبانی کا لطف اٹہایا زیادہ کہیلے تو سینہ سے لگالیا گلے میں باہیں ڈالدیں، اس حالت میں بھی کوئی برا خیال نہیں پاکبازی اور پاک نظری کی روک قایم ہے خود فرماتے ہیں،

منم کہ شہرۂ شہرم بہ عشق ورزیدن منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بد دیدن

بایں ہمہ عشق و محبت میں جو جو واردا تیں گذرتی ہیں ایک ایک سے باخبر ہیں اور ان سب جذبات کو اسی سچائی اُسی واقعیت اسی جوش کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں جس طرح دل میں آتے ہیں اور یہی اصلی شاعری ہے وہ کوئی بات نہیں کہتے جب تک کوئی جذبہ دل میں پیدا نہیں ہوتا معشوق کی تعریف بھی جو شاعروں کا دن رات وظیفہ ہے کرنا چاہتے ہیں تو اسی وقت کرتے ہیں جب معشوق کی کسی نئی ادا سے دل پر چوٹ پڑتی ہے ۔ ورنہ یوں کچھ کہہ جاتے ہیں تو اس کو بیکار سمجھتے ہیں ، خود فرماتے ہیں ۔

نکتہ ناسنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار   عشوہ فرمائے تا من طبع را موزوں کنم

غنی نے اسی بات کو اپنے انداز میں کہا ہے

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر   تو حنا بستی و من معنی رنگین بستم

خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقف ہیں کہ عشق محض ظاہری حسن و جمال سے نہیں پیدا ہوتا اور ہوتا ہے تو وہ عشق نہیں بلکہ ہوس پرستی ہے عشق کہئے ، . . . . . . معشوق میں حسن و جمال کے سوا اور بہت سی ادائیں ہونی چاہئیں اسی نکتہ کو سلمان ساوجی نے بھی ادا کیا تھا ۔

شاہد آں نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل   شاہد آں ست کہ ایں دارد و آنے دارد

لیکن سلمان نے آن کی تخصیص کر دی ہے خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں ۔

شاہد آں نیست کہ موے و میانے دارد   بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

لیکن یہیں تک بس نہیں کرتے ، بلکہ آگے بڑھتے ہیں

ہزار نکتہ دریں کار و بار دلداری ست   کہ نام آں نہ لب لعل و خط زنگاری ست

عاشق جب عشق سے لطف اٹھاتا ہے تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اوروں کو بھی اس مزہ کے اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے ، اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے

مصلحت دید من آں ست کہ یاراں ہمہ کار   بگذارند و سر زلف نگارے گیرند

شہرے پراز حریفاں ز ہر طرف نگار   یاران! صلائے عشق ست گر می کنید کار

اس مستی کو دیکھو کہ یار کوئی کام کرنا ہے تو بس یہ (عشق) کرنے کا کام ہے

عاشق کو جب وصل کا تصور آتا ہے تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ معشوق کو طرح طرح سے آراستہ کرونگا پھولوں کے زیور پہناؤنگا تخت پر بٹھاؤں گا اور عرض کرونگا کہ معشوقانہ انداز سے بیٹھے اور تماشائیوں پر بجلی گرائے ان جذبات کی تصویر دیکھو

بہ تخت گل بہ نشانم بتے چو سلطانے   ز سنبل و سمنش ساز و طوق و یارہ کنم
(چنبیلی زیور طوق کنگن)

کرشمہ کن و بازار ساحری بشکن   بہ غمزہ رونق بازار سامری بشکن

بہ باد دہ سر و دستار عالمے یعنے
(تو کوئی پگڑیاں اچھال)   کلاہ گوشہ بہ آئین دلبری بشکن

چو عطر سای شود زلف سنبل از دم باد   تو قیمتش بہ سر زلف عنبری بشکن

بہ زلف گوئی کہ آئین دلبری مگذار   بہ غمزہ گوئے کہ قلب ستمگری بشکن

بروں خرام و ببر گوئی خوبی از ہمہ کس   سزای حور بدہ رونق پری بشکن

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ وصل میں دل کے کانٹے نکل جاتے ہیں اور تسکین ہو جاتی ہے لیکن صاحب ذوق جانتا ہے کہ وصل میں آتش شوق اور بھڑکتی ہے اور دل کا ولولہ کسی طرح کم نہیں ہوتا اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہے۔

بِكُلٍّ تَدَاوَيْنَا فَلَمْ يُشْفَ مَا بِنَا   عَلَى أَنَّ قُرْبَ الدَّارِ خَيْرٌ مِنَ الْبُعْدِ

یعنی ہم سب کر کے دیکھ چکے ہیں کسی سے تسلی نہیں ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر اچھا ہے

خواجہ صاحب اس نکتہ کو یوں ادا کرتے ہیں

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت   واندراں برگ و نوا خوش نالہای زار داشت

گفتمش در عین وصل ایں نالہ و فریاد چیست؟   گفت مارا جلوۂ معشوق دریں کار داشت

معشوق نے چند روز بیوفائی برتی ہے پھر صاف ہو گیا عاشق کو پہلی باتیں یاد آتی ہیں لیکن قصداً بہلاتا ہے اور معشوق کو مطمئن کرتا ہے کہ مجھکو کوئی شکایت نہیں، اتفاقیہ باتیں نہیں

ہوگئیں اس حالت کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے۔

گرز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت
ورز ہندوئی شما بر من جفائی رفت رفت

اس بلاغت کو دیکھو کہ ظلم و ستم کو معشوق کی طرف نسوب نہیں کرتا بلکہ زلف کا نام لیتا ہے اور اسکو ہندو (چور ظالم) کہتا ہے کہ اس سے یہ کیا بعید ہے،

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت
جور شاہ کامراں گر بر گدائی رفت رفت

گر دلم از غمزۂ دلدار بارے برد برد
در میان جان و جانان ماجرائی رفت رفت

کبھی عاشق کے دل میں یہ جذبہ اٹھتا ہے کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتے ہونگے لیکن میری سی جانبازی کون کر سکتا ہے۔ اس خیال کو محبت کے انداز سے معشوق کے سامنے بھی ظاہر کر دیتا ہے۔ خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں

شب مجنوں بہ لیلے گفت کای معشوق بے ہمتا
ترا عاشق شود پیدا ولے مجنوں نخواہد شد

اس موقع پر مجنوں کے لفظ نے کیا بلاغت پیدا کی ہے یہ مضمون سینکڑوں نے باندھا ہے لیکن یہ پیرایہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔

بعض وقت جب معشوق کا ناز اور تمکنت حد سے گذر جاتی ہے تو عاشق تنگ آکر کہہ دیتا ہے کہ اتنا بھی حد سے نہ گذرنے، دنیا میں اور ہزاروں صاحب جمال ہیں، معشوق بھی جانتا ہے کہ بات سچ ہے لیکن سمجھتا ہے کہ عاشق کے منہ سے یہ خلاف ہے ان سب جذبات کو خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں

صبحدم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چون تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولے
ہیچ عاشق سخن سخت بہ معشوق نگفت

عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کیلئے خاص ہیں لیکن بڑھاپے میں بھی یہ آگ سرد نہیں ہوتی عاشق پر اس زمانہ میں مختلف حالات گذرتے ہیں کبھی کہتا ہے،

ع رندی زہوسناکی در عہد شباب اولے

کبھی خیال کرتا ہے کہ عشق کی گرمی خود جوان بنادے گی، اس حالت میں کبھی معشوق سے کہتا ہے

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر | کہ سحر گہ ز کنار تو جوان برخیزم

کبھی کہتا ہے۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم | ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جواں شدم

اسی بنا پر رکنائے کاشی نے کہا ہے ع عشق در ایام پیری چوں بہ سر آتش است

ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ حالت عبرت انگیز ہے اس حالت میں خود اپنی حالت پر افسوس کرتا ہے اور عبرت کے لہجہ میں کہتا ہے۔

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و علم | با من چہ کرد دیدۂ معشوق باز من

یہ سب اصلی وارداتیں ہیں، جو عاشق کو پیش آتی ہیں خواجہ صاحب نے انکو بے کم و کاست ادا کیا ہے، معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس اور کم مایہ ہوتا ہے تو معشوق کو عاشق کی طرف التفات سے عار ہوتی ہے لیکن عاشق میں یہ احتیاط ملحوظ نہیں، اس بنا پر قاصد سے خطاب کرکے کہتا ہے

گر دیگرت بر آں در دولت گذر بود | بعد از ادائے خدمت و عرض دعا بگو

در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست | اے بادشاہ حسن سخن با گدا بگو

غرض اس طرح کے سینکڑوں جذبات ہیں جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اور جنکی مثال اساتذہ کے کلام میں نہیں مل سکتی ہم سرسری طور پر یکجائی چند اشعار نقل کرتے ہیں

معشوق کی نسبت بدگمانی۔

خواب آں نرگس فتان تو بے چیزی نیست | تاب آں زلف پریشان تو بے چیزی نیست

ظلم کے بعد معشوق کے رحم کی داد

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب | کشتۂ غمزہ خود را بہ نماز آمدہ

رقیب سے چھپاکر سرگوشی

خدارا اے رقیب امشب زمانے دیدہ برہم نہ | کہ من با لعل جاں بخشش نہانی یک سخن دارم

معشوق کی عام آمیزی کی شکایت

زمن بدوست صبا گوشش بہ پیغام رقیب | ایں ہمہ با ہمہ در ساختہ یعنے چہ

عشق سے پارسائی میں فرق آنے کا خطرہ

می ترسم از خرابی ایماں کہ می برد | محراب ابروئے تو حضور نماز من

معشوق نے چارہ ساز ہو کر چارہ نوازی نہ کی

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آں عیار شہر آشوب | بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہاں دارد

با کہ ایں نکتہ تواں گفت کہ آں سنگیں دل | کشت ما را و دم عیسیٰ مریم با او ست

بوسہ کے ساتھ گالی کا مزہ

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست | بوسہ چند بیامیز بہ دشنامے چند

باوفا معشوق کی نظیر پیش کر کے معشوق سے التفات کی خواہش،

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند | ای دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

حیا اور رونے کی وجہ سے افشائے راز

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز | دگرنہ عاشق و معشوق راز دارانند

اوروں کی کامیابی پر حسرت،

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی | بہ یاد آر حریفاں بادہ پیما را

داستان عشق کی دلچسپی

یک قصہ بیش نیست غم عشق ویں عجب | از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

معشوق پر فدا ہونے کا انتظار اور اس کا اعتراض۔

می خواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع | او خود گذر بہ ما چو نسیم سحر نہ کرد

معشوق کی یاد میں شب گذاری کا لطف،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح — بوی زلف تو ہماں مونس جان است کہ بود

معشوق نہ زد سے ہاتھ آتا اور خود ملتفت ہوتا ہے

از بہر بوسہ زلبش جان ہمی دہم — اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

اہل تقوی برا مانیں تو مانیں، شاہد پرستی نہیں چھوڑی جا سکتی۔

شراب لعل کش و روی مہ جبینان بیں — خلاف مذہب آنان جمال اینان بیں

فلسفہ خواجہ صاحب کا فلسفہ قریبًا وہی ہے جو خیام کا ہے خواجہ صاحب نے انہی مسائل کو زیادہ تفصیل، زیادہ توضیح اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہے چنانچہ ہم ان کو بدفعات بیان کرتے ہیں

(۱) انکا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور ان کی حقیقت کچھ معلوم نہیں، اور نہ معلوم ہو سکتی ہے، اس مضمون کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام سب نے بیان کیا تھا لیکن خواجہ صاحب جس بلند آہنگی، اور جوش و ادعا کے ساتھ کہتے ہیں وہ ان کا خاص حصہ ہے

برو اے زاہد خود بیں کہ ز چشم من و تو — راز ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود

انداز بیان کی بلاغت کو دیکھو! کلام کی ابتدا ایسے لفظ سے کی ہے جس سے زاہد کی دعوی راز دانی کی سخت تحقیر ظاہر ہوتی ہے خود بیں کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ دعوی صرف خود بینی کی بنا پر ہو تو ہے زاہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شریک کر لیا ہے جس زاہد کی خاطر داری اور دعوی کی تعمیم مقصود تھی یعنی اس امر میں عارف و زاہد عالم و جاہل سب برابر ہیں دوسرے مصرع میں نفی کے ساتھ آئندہ زمانے کو بھی داخل کر لینے سے دعوی میں زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں — کیں جا ہمیشہ باد بدست است دلم را

حدیث از مطرب و می گوی و راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معما

دلا چو دید بازی این چرخ حقہ باز — ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ بست

کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست — این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

ساقیا جام میم دہ کہ نگارندۂ غیب — نیست معلوم کہ در پردہ اسرار چہ کرد

آنکہ پر نقش زد این دائرہ مینائی — کس ندانست کہ در گردش پرکار چہ کرد

نہ شوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود — گر تو سرگشتہ شوی دائرہ دوران را

در کارخانہ کہ رہ عقل و علم نیست — وہم ضعیف رائے فضول چرا کند

ما از برون در شدہ مغرور صد فریب — تا خود درون پردہ چہ تدبیر می کنند

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

راز درون پردہ چہ داند فلک خموش — اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

با ہیچ کس نشانے زان دلستان ندیدم — یا من خبر ندارم یا او نشان ندارد

محرم راز انتظار درین پردہ راہ نیست — یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد

(۳) شاہد مطلق کا ظہور اگرچہ ہر جگہ ہے اور ذرہ ذرہ میں اسکی چمک موجود ہے لیکن کوئی شخص اسکو پہچان نہیں سکتا۔

(۴) اسرار کائنات اگرچہ حقیقتہً ہیں معلوم نہیں ہو سکتی لیکن جو کچھ بھی معلوم ہو سکتا ہے وہ علوم درسیہ کی تحصیل اور بحث مباحثہ سے نہیں ہو سکتا بلکہ مجاہدہ، ریاضت، وجدان اور کشف سے معلوم ہو سکتا ہے خواجہ صاحب نے ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام ساقی، بادہ فروش، رند، رکھا ہے اور اسی بنا پر ہر جگہ پیر مغاں اور بادہ فروش کی حلقہ بگوشی کا دعوی کرتے ہیں اور انکے مقابلہ میں زاہد یعنی علمائے ظاہری کو بے حقیقت سمجھتے ہیں، ا

راز درون پردہ ز رندان مست پرس — کین حال نیست صوفی عالی مقام را

سر خدا کہ عارف سالک بہ کس نگفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست

اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی ترسم ایں نکتہ بہ تحقیق ندانی دانست

سر زحیرت بہ در میکدہ ہا برکسر دم چون شناسائی تو در صومعہ یک پیر نبود

حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید از شافعی مپرسید امثال ایں مسائل

مرزا غالب نے اس خیال کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے۔

آن راز کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است بر دار تواں گفت و بہ ممبر نتواں گفت

(۴) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونے کا ذریعہ بیرونی چیزوں کا مطالعہ نہیں ہے ان کے نزدیک دل پر جب ایک خاص طریقہ سے توجہ اور مدت تک اس پر توجہ مبذول کی جاتی ہے تو دل خود ادراکات اور معلومات کا سرچشمہ بن جاتا ہے، جس طرح انبیا کا علم باہر سے نہیں آتا بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھلتا ہے، خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت پرجوش اور بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے

دیدمش خورم و خنداں قدح بادہ بدست وندراں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد

گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

یعنی میں نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہے، ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے اسکو بار بار دیکھتا ہے اور اس میں اسکو گوناگوں عالم نظر آتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کارپرداز فطرت نے تمکو یہ جام جہاں بیں کس دن عنایت کیا تھا بولا کہ جسدن یہ سبز گنبد آسمان تعمیر کر رہا تھا۔

(۶) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبر کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی انسان خود مختار نہیں ہے کوئی اور قوت ہے جو اس سے کام لے رہی ہے، اگرچہ بعض جگہ اس کے خلاف بھی ان کے قلم سے نکل جاتا ہے مثلاً ع ہر عمل اجرے و ہر کار جزائے دارد،

لیکن ان کا اصلی رجحان طبع جبر ہی کی طرف ہے یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر خلاف عقل ہے لیکن فلسفہ کی انتہائی منزل یہی ہو اور یہاں فنا بھی اسی نشہ میں چور ہیں خواجہ صاحب جب اس عالم میں

آتے ہیں تو انکی سرمستی حد سے بڑھ جاتی ہے اور عجیب جوش خروش کا عالم ہوتا ہے،

نقش مستوری و مستی نہ بدست من و تست — آنچہ استاد ازل گفت بکن آں کردم

بارہا گفتہ ام و بار دگر مے گویم — کہ من دل شدہ ایں رہ نہ بخودمی پویم

بردای ناصح و بر درد کشاں خردہ مگیر — کار فرمائی قدرت کند ایں من چہ کنم

برق غیرت کہ چنیں می جہد از پردۂ غیب — تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم

مرا مہر نکو رویاں ز سر بیروں نخواہد شد — قضای آسماں است و دیگرگوں نخواہد شد

مرا روز ازل کارے بجز رندی نفرمودند — ہر آں قسمت کہ آں جا شد کم و افزوں نخواہد شد

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند — ما دل بہ عشوۂ کہ دہیم اختیار چیست؟

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — آنچہ استاد ازل گفت ہماں میگویم

(۵) کمال اور ترقی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ غلط ہے کہ ع حریفاں بادہا خوردند و رفتند

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

(۶) بندگان خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہے وہ بات ہر شخص کو نصیب نہیں ہو سکتی۔

گوہر جام جم از طینت خاک دگر است — تو توقع ز گل کوزہ گراں میداری

فلسفہ اخلاق

خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے ان کا طرز عمل خود ان کی زبان سے یہ ہے

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہ نیست

ع فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم

ما نہ گوئیم بد و میل بہ ناحق نہ کنیم — جامۂ کس سیہ و دلق خود ارزق نہ کنیم

نہ صرف اچھوں بلکہ بروں کو بھی ہم برا کہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ گو برے کو برا کہنا چنداں مضائقہ نہیں پھر بھی برائی سے خالی نہیں اسلئے بہتر ہے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے

عیب درویش و تو انگر بہ کم و بیش بد است — کار بد مصلحت آں است کہ مطلق نہ کنیم

ہم اپنے نکتہ چینوں اور مخالفوں سے بھی ناراض نہیں ہوتے اسلئے اگر وہ حق کہتے ہیں تو حق کے برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر غلط کہتے ہیں تو غلط بات کا کیا رنج،

حافظ از خصم خطا گفت نگیریم بر او
گر بحق گفت جدل با سخن حق نکنیم

ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں جو چاہے آئے، ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاہ نیست

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است
ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ہم کو صرف مہر و محبت سے کام ہے، دشمنی، بغض اور کینہ ہمارا طرز عمل نہیں

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن

بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات
بخواست جام می و گفت عیب پوشیدن

فرائض اور عبادت بہشت کے لالچ سے نہیں کرنی چاہئیں بلکہ اسلئے کرنی چاہئیں کہ فرض انسانی ہیں، بہشت بیشک معاوضہ میں ملے گی لیکن تمہارا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ

تو بندگی چو گدایان بہ شرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

من آن نگین سلیماں بہ ہیچ نستانم
کہ گاہ گاہ برا و دست اہرمن باشد

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسکی تاثیر سے تمام جن اور انسان ان کے تابع تھے ایک دفعہ ایک شیطان نے اسکو کسی طرح اڑا لیا حضرت سلیمان کی سلطنت اور شان و شوکت سب جاتی رہی، یہاں تک کہ مچھلیاں پکڑ کر زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ جس انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہے میں اسکو کوڑی کے مول بھی نہیں خریدتا

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم
گر بہ آب چشمۂ خورشید دامن تر کنم

بہ خرمن دو جہاں سر فرو نمی آرند | دماغ کبر گدایان خوشہ چینان بیں
بالملک عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم | ما تخت سلطنت نہ بہ بازو کشادہ ایم

لیاقت جب تک نہ ہو بڑوں کی برابری نہیں کرنا چاہیئے۔

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف | مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ذاتی لیاقت درکار ہے خاندانی شرف کافی نہیں،

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما | ور خود از گوہر جمشید و فریدوں باشی

تحصیل مقصد کے لئے کوشش درکار ہے۔

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجاں | شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ترغیب عمل،

اے دل بکوی عشق گذاری نمی کنی | اسباب جمع داری و کارے نمی کنی
چوگاں بدست داری و گوئی نمی زنی | بازے چنیں بدست و شکارے نمی کنی

علماء اور واعظین کی پردہ دری

اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہے کہ شاعر فطرت انسانی کا نکتہ شناس ہو

جو عیب اور برائیاں کھلی کھلی ہوتی ہیں ان کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن دقیق مخفی اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی، اسلئے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہے اسکے لئے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہے اسکے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ لطیف اور دلآویز طریقوں سے یہ عیوب ظاہر کئے جائیں تاکہ لوگوں کو گراں نہ گزریں بلکہ خود ان کو ان کے سننے میں لطف آئے مخفی اور دقیق عیوب جس قدر علماء میں اور واعظین اور زہاد میں پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسکو نہایت تفصیل سے لکھا ہے لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہا ہے اسلئے ان کے عیوب ظاہر کرنا آسان بات نہیں، امام غزالی نے اس کا جو نتیجہ اٹھایا یہ تھا کہ انکی جان تک معرض خطر میں

آگئی اسلئے کسی کو ہمت نہوئی، شعرا میں سب سے پہلے خیام نے یہ جرات کی اسکے بعد شیخ سعدی نے
دبی زبان سے کچھ کچھ کہا، مثلاً،

محتسب در قفائے رنداں است — غافل از صوفیان شاہد باز

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار — کہ تا بہ شحنہ بگوید کہ صوفیاں مستند

گرکند میل بہ خوباں دل من خردہ مگیر — کیں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن جس دلیری، آزادی، اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا آجتک کسی سے نہ ہو سکا

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چو بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمند محفل باز پرس — توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

گوئیا باور نمی دارند روز داورے — کیں ہمہ قلب و دغا در کار داور می کنند

(کھوٹ) (خدا) (قیامت)

دی دو بیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت — بر در میکدہ با دف و نے ترسائے

گر مسلمانی ازیں است کہ حافظ دارد — وای گر از پس امروز بود فردائے

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دف بجاکر یہ گاتا تھا کہ اگر اسلام اسی کا نام ہے
جو حافظ میں پایا جاتا ہے تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آنیوالا ہے تو ہائے،،

اس شعر کا پیرایہ بیان بھی کس قدر بلیغ ہے اول تو جو کہنا ہے اسکو ایک عیسائی کی زبان
سے کہا ہے جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہے کہ غیروں کو بھی ان بداعمالیوں پر افسوس اور
رحم آتا ہے گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہے کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگاکر
سنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی اپنا نام لینے سے علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہے کہ دوسروں
کا عیب کہتے تو ان کو توجہ نہ ہوتی، سب سے بڑا عیب مولویوں اور واعظوں میں ریاکاری
کا ہوتا ہے اسلئے نہایت دلیری سے ان کی برائیاں بیان کی ہیں۔

گرچہ بر واعظ شہر ایں سخن آساں نشود — تا ریا ورزد و سالوس مسلماں نشود

یعنی گو واعظ کو یہ بات گراں گذریگی، لیکن یہ ہے کہ جب تک وہ ریاکار رہیگا مسلمان نہیں ہو سکتا،

غلام ہمت دردی کشان یکرنگم　　　نہ آں گروہ کہ ازرق لباس و دل سیہ اند

بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود　　　بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست

من از پیر مغاں دیدم کرامت ہائے مردانہ　　　کہ ایں دلق ریائی را بہ جامی برنمی گیرد

می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب　　　بہتر ز طاعتے کہ بہ روی و ریا کنند

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز بازخواست　　　نان حلال شیخ ز آب حرام ما

بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن　　　مرو بہ صومعہ کان جا سیاہ کارانند

نقدہا را بود آیا کہ عیارے گیرند　　　تا ہمہ صومعہ داران پے کارے گیرند

یعنی اگر سکے پرکھے جاتے تو سب خانقاہ نشین اپنا اپنا راستہ لیتے۔

مولویوں اور واعظوں کو اس میں بڑا کمال ہوتا ہے تقدس کے پردے میں اس طرح برائیاں کرتے ہیں کہ کسی کو انکی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا خواجہ صاحب نے اس نکتہ کو اس لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز　　　مست ست و در حق او کس ایں گمان ندارد

خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت　　　قصہ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

صوفیان واستدند از گرو می ہمہ رخت　　　دلق ما بود کہ در خانہ خمار بماند

یعنی صوفیوں نے اپنا خرقہ شراب کی عوض میں رہن بھی کیا اور واپس بھی لے لیا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ ہم رند یوں رسوا ہوئے کہ ہمارا خرقہ پڑا رہ گیا۔

داشتم دلقے و صد عیب مرا می پوشید　　　خرقہ رہن مے و مطرب شد و زنار بماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی گہری چال یہ ہے کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا نظر آئے تو نہایت سختی سے اسپر دارو گیر کی جائے۔ اس راز کو خواجہ صاحب اسطرح فاش کرتے ہیں

بادہ با محتسب شہر نہ نوشی زنہار　　　کہ خورد بادہ ات و سنگ بہ جام اندازد

یعنی محتسب کے ساتھ کبھی شراب نہ پینا وہ تمہارے ساتھ شراب بھی پئے گا اور تمہارا

پیالہ بھی توڑ ڈالے گا، مولوی اور واعظوں میں ریاکاری علانیہ نظر آتی ہے اور مذہبی گروہ بھی اسکے اثر سے خالی نہیں ہوتے اس بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

می خور کہ شیخ وحافظ وقاضی ومحتسب — چوں نیک بنگری ہمہ تزویر مے کنند

صوفیان جملہ حریف اند نظر باز ولے — زاں ہمہ حافظ سودازدہ بدنام افتاد

علمار کے اوصاف اور اخلاق پر خوب غور کرو تو نظر آئے گا کہ عوام کی عقیدتمندی اور نیازمندی کی وجہ سے ان میں نہایت عجب اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور اس وصف کو اسلئے ترقی ہوتی جاتی ہے کہ ان کو یہ باتیں مذہبی پیرایہ میں نظر آتی ہیں وہ کسی کو برا کہتے ہیں تو سمجھتے ہیں امر بالمعروف کی تعمیل ہے سلاطین اور حکام کی درباداری کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ احکام شرعی کے اجرار کیلئے اسکی ضرورت ہے کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں تو کہتے ہیں یہ بغض للّٰہ ہے غرور اور فخر کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ عزت نفس ہے اس بنا پر یہ تمام عیوب ان میں راسخ ہو جاتے ہیں خواجہ صاحب ان تمام عیبوں کی نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں پردہ دری کرتے ہیں

اگر از پردہ بروں شد دل من عیب مکن — شکر ایزد کہ نہ در پردۂ پندار بماند

در راہ ما شکستہ دلی می خرند وبس — بازار خود فروشی ازاں راہ دیگر ست

یعنی ہمارے بازار میں صرف خاکساری کی قیمت ہے، باقی خود پرستی تو اس کا راستہ دوسری طرف سے نکلا ہے۔

زاہد شہر چو مہر ملک وشحنہ گزید — من ہم از مہر نگارے بگزینم چہ شود

یعنی جب زاہد نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو ہم بھی اگر کسی خوشرو سے دل لگائیں تو کیا ہرج ہے، یعنی بادشاہ پرستی سے شاہد پرستی بہتر ہے۔

شیب می جملہ گفتی ہنرش نیز بگو — نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

علمار کی عام حالت یہ ہے کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہیں کرتے بلکہ اگر اس میں

کوئی برائی کا پہلو ہے تو صرف اسی پر زور دیتے ہیں آج کل مغربی تعلیم قوم کیلئے کس قدر ضروری اور گویا شرط زندگی ہے لیکن صرف اس وجہ سے عوام اس سے وحشت کرتے ہیں کہ کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہیں دے سکتا بلکہ ہمیشہ اسکی مخالفت کی جاتی ہے خواجہ صاحب نے نہایت موثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو، شراب میں فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی اور نقصان فائدہ سے زیادہ ہے تاہم خدا نے قرآن مجید میں فرمایا، فیہما اثم کبیر و منافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما، یعنی قمار اور شراب میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی لیکن نقصان زیادہ ہے جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بری چیز ہے اسکے فائدوں کو چھپانا نہیں چاہا، البتہ یہ بتادیا کہ فائدے سے نقصان زیادہ ہے اور اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

خواجہ صاحب نے اس بات کو جا بجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں ادا کیا ہے کہ مولویوں اور واعظوں کی نیکیاں بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں اسلئے درگاہ الہی میں مقبول ہونے کے قابل نہیں،

در میخانہ ببستند خدایا مپسند ۔۔۔ کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست ۔۔۔ نان حلال شیخ ز آب حرام ما

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولی ۔۔۔ ویں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

روزمرہ و محاورہ

خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کے ہاں کلام میں روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں جو الفاظ اور ترکیبیں رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہے عموماً وہی ہوتے ہیں جو فصیح سلیس، نرم اور روان ہوں اور اگر ان میں کسی قدر کمی ہوتی ہے تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکل جاتی ہے کیونکہ رات

دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانوں کو مانوس ہو جاتے ہیں، محاورات کا بھی یہی حال ہے محاورہ بنتاہے جب ایک گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی میں استعمال کرتاہے اسلئے ضروری ہے یہ جملہ فصیح سلیس، اور رواں ہو، ورنہ تحاور عام میں نہیں آسکتا۔

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان میں مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانوں کے نہایت کم ہیں اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی۔ شاعری کیلئے زبان پر قدرت تمام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہے خواجہ صاحب کی قادرالکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اُنہوں نے جس قدر محاورات اور مصطلحات برتے، فارسی شعراء میں سے غالباً کسی نے نہیں برتے اور یہ انکی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل ہے،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے لیکن مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں[1]

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز بازخواست — نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صلاح کار کجا و من خراب کجا — بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چیں — کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی — خدمت ما برسان سرو و گل و ریحان را

ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں می خندند — در سر کار خرابات کنند ایماں را

برو بہ کار خود اے واعظ ایں چہ فریاد است — مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتادہ است

روی خوب است و کمال ہنر و دامن پاک — لاجرم ہمت مردان دو عالم با او ست

ہر چہ ہست از قامت ناساز بے اندام ما ست — ورنہ تشریف تو بر بالای کس کوتاہ نیست

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است — ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

---

[1] جو محاورات ان اشعار میں آئے ہیں انکے معنی ہم یکجائی لکھدیتے ہیں۔ صرفہ بردن بازی لیجانا، دام بار چیدن جال کو سمیٹ لینا، باد بدست بودن کچھ ہات نہ آنا، خدمت اسلام، در سر کار چیزے کردن، صرف کردینا یا لگا دینا، ترا چہ افتادہ است تم کو کیا پڑی ہے ہمت توجہ اور ہمدردی۔ بے اندام بے ڈول

دانا چو دید بازی این چرخ حقه باز
هنگامه باز چید و در گفتگو ببست

در راه ما شکسته دلی می خرند و بس
بازار خودفروشی ازان راه دیگر است

اگرچه باده فرح بخش و باد گل بیز است
به بانگ چنگ مخور می که محتسب تیز است

می خواست گل که دم زند از رنگ و بوی دوست
از غیرت صبا نفسش در دهان گرفت

آسوده بر کنار چو پرکار می شدم
دوران چو نقطه عاقبتم در میان گرفت

فرصت نگر که فتنه در عالم اوفتاد
عارف به جام می زد و از غم کران گرفت

حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکید
غیرے چگونه نکته تواند بران گرفت

مستم کن آنچنان که ندانم ز بیخودی
در عرصهٔ خیال که آمد کدام رفت

در حق من لبت آن لطف که می فرماید
سخت خوب است ولیکن قدری بهتر ازین

همائے همتم عمرے ست کز جان
هوائے آن قد و بالا گرفت است

دلم جز مهر مهرویان طریقی بر نمی گیرد
ز هر در می دهم پندش ولیکن در نمی گیرد

رخ و چشمی به این خوبی تو گوئی دل ازو برگیر
برو کین وعظ بی معنی مرا در سر نمی گیرد

میان گریه می خندم که چون شمع اندرین مجلس
زبان آتشینم هست لیکن در نمی گیرد

بدین شعر تر و شیرین ز شاهنشه عجب دارم
که سر تا پای حافظ را چرا در زر نمی گیرد

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب
بازی چرخ ازین یکدو سه کاری بکند

نقد ها را بود آیا که عیاری گیرند
تا همه صومعه داران پی کاری گیرند

خرقه پوشان همگی مست گذشتند و گذشت
قصهٔ ماست که در کوچه و بازار بماند

مطرب عشق عجب ساز و نوائی دارد
نقش هر پرده که زد راه بجائی دارد

ازاں راہ دیگر است یعنی اس کا اور راستہ ہے، تیز چھلا اور غصہ ور،

دم زدن دعوی کرنا نفس در دہان گرفتن دم گھٹنا در میان گرفتن گھیر لینا از دن کسی چیز پر ٹوٹ کر گر پڑنا نکتہ گرفتن اعتراض کرنا، گرفتن ہوا میں اڑنا در گرفتن اثر کرنا یا لگ جانا در زر گرفتن سونے میں تلوا دینا، پے کارے گرفتن کسی کام کے پیچھے پڑنا لیکن ایسے موقعوں پر اپنا راستہ لینا، کے معنی میں آتا ہے

ازراہ نظر مرغ دلم گشت[۱۰] ہوا گیر — اے دیدہ نظر کن کہ بہ دام کہ درافتاد

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات — با دردکشاں ہر کہ درافتاد برافتاد[۱۱]

چہ مستی است ندانم کہ رو بہ ما آورد — کہ بود ساقی و ایں بادہ از کجا آورد

رسیدن گل و نسرین بہ خیر و خوبی باد — بنفشہ شاد و خوش آمد سمن صفا آورد[۱۲]

از دیدہ خون دل ہمہ بر روئے ما رود — بر روئے ما ز دیدہ ندانم چہا رود[۱۳]

آں شد اے خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی — کار ما با رخ ساقی و لب جام افتاد

رطل گرانم دہ اے مرید خرابات — شادی[۱۴] شیخی کہ خانقاہ ندارد

شراب و عیش نہاں چیست کار بے بنیاد — زدیم بر صف رنداں و ہرچہ بادا باد

یارب بوقت گل گنہ بندہ عفو کن — دیں ماجرا بہ سر لب جوئبار بخش

حاشا کہ من بہ موسم گل ترک مے کنم — من لاف عقل میزنم ایں کار کے کنم

اے مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہ تست — عرض خود مے بری و زحمت[۱۵] ما میداری

دردمنداں بلا زہر ہلاہل نوشند — قتل ایں قوم خطا باشد ہاں تا نکنی[۱۶]

اکثر محاورے ایسے ہیں جو صرف بول چال اور بے تکلفی میں استعمال ہوتے ہیں اہل قلم یہ سمجھکر کہ وہ متانت کے خلاف ہیں تصنیفات میں استعمال نہیں کرتے، مثلاً اردو میں یہ محاورہ جاؤ بھی، "سنے بھی دیجئے، دیکھ لیا وغیرہ وغیرہ روزمرہ استعمال میں آتے ہیں لیکن ناسخ خواجہ، درد، سودا، وغیرہ انکو نظم کرنا متانت کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن اس سے زبان کی وسعت گھٹتی ہے اسلئے جن شعرا کو زبان کا زیادہ خیال ہے، مثلاً داغ وغیرہ ڈھونڈ ڈھونڈکر یہ تمام محاورات لاتے ہیں فارسی میں روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب نے وسعت دی ان کے کلام میں ایسے بہت سے محاورات ملیں گے جو کسی اور کے کلام میں نہیں مل سکتے یہاں تک کہ بول چال

۱۶ ہاں تا نکنی دیکھو ایسا کبھی نہ کرنا

گذشت[۱۰] ہو گئی گذری بات ہوئی ماماہ بجاہی[۱۱] وارد اصول اور قاعدہ کے موافق ہے درافتادن الجھنا، صفا آورد، خیر مقدم کے لئے کہتے ہیں۔ چہا رود کیسے گذرے گی[۱۳]۔ شادی شیخی. یعنی ان کے آنر ہیں ما یہ فلاں بخشیدن ان کے صدقہ میں زحمت[۱۵] اٹھانے برداشتن. کسی کو نہ ستانا،

کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے لئے ہیں جو خاص لہجہ کے محتاج ہیں اور بغیر اس لہجہ کے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ مثلاً

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق　　　گفتم ای خواجۂ غافل! ہنرے بہتر ازیں

ہنرے بہتر ازیں کو ایک خاص لہجہ سے پڑھنا چاہیئے جس سے استفہام کے معنی پیدا ہوں یعنی کیا اس سے بڑھکر کوئی اور ہنر ہوگا یا مثلاً یہ شعر ؎ کنار و بوسہ و وصلش چگویم چوں نخواہد شد، یعنی جب یہ ہونا نہیں ہے اس کا ذکر کیا کروں، اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں

خوش نوائی

صاحب ذوق صاف محسوس کرتا ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام میں ایک خاص قسم کی خوشگواری پائی جاتی ہے۔ شاعری میں موسیقی بھی شامل ہے اسلئے جو شعر موسیقی اور خوشنوائی سے الگ ہوگا شاعری کے رتبے سے گھٹا ہوگا خواجہ صاحب کے کلام میں یہ وصف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے اکثر غزلوں کی بحریں ایسی رکھتے ہیں جو موسیقی سے مناسبت رکھتی ہیں شعر ونکے ارکان اور انکے ٹکڑے ایسے لاتے ہیں جو تال اور سم کا کام دیتے ہیں اس غرض کیلئے اکثر ہموزن الفاظ کا پے در پے آنا مدد دیتا ہے اور گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بار بار تان اکر ٹوٹتی ہے مثلاً

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش　　　کہ دست افشاں غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم
یکے از عقل می لافد دگر طامات می بافد　　　بیا کیں داوری ہا را بہ پیش داور اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد　　　من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم
شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزم　　　نسیم عطر گرداں را شکر در مجمر اندازیم
سرو روان من چرا میل چمن نمے کند　　　ہمدم گل نمی شود، یاد وطن نمے کند
دردم از یار ست و درماں نیز ہم　　　دل فدائے او شد و جاں نیز ہم
گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت　　　ور ز ہندوی شما بر من جفائے رفت رفت

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے قدما کے کلام میں صنائع لفظی یعنی صنعت

اشتقاق ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، مراعات النظیر کو تناسب لفظی، جو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہے سلمان ساوجی نے رواج دیا اور کچھ زمانے تک بڑے زور شور سے جاری رہی ان صنعتوں کو عموماً شعرا نے محض صنعت کی حیثیت سے استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اس کا التزام وقت آفرینی ہے اور وقت آفرینی ایک کمال کی بات ہے۔ اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نہ بچ سکے چنانچہ مراعات النظیر، ایہام وطباق ان کے یہاں بھی جابجا پائے جاتے ہیں مثلاً

تا دل ہرزہ گردمن رفت بہ چین زلف او
زاں سفر دراز خود قصد وطن نمے کند۔

شمانماند سخن طے کنم شراب کجا است
بدہ بہ شادی روح رواں حاتم طے

ع نان حلال شیخ زآب حرام ما، لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تران لفظی صنعتوں کو لیا ہے جن سے خوش آہنگی اور خوش نوائی پیدا ہو سکتی ہے۔

ایں کہ می گویند آں بہتر زحسن
یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اس شعر میں این و آں کا جو مقابلہ ہے اسکو ایک سطحی النظر یہ خیال کریگا کہ مراعات النظیر یا صنعت اضداد ہے لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ ان دو لفظوں کی آواز کا تناسب ایسا ہے جو خود بخود کانوں کو خوش معلوم ہوتا ہے اور موسیقی کی حیثیت سے دیکھیں تو دو راگ کے اجزا ہیں مثلاً

تا صد حضرت سلمٰے کہ سلامت بادا
چہ شود گر بہ سلامے دل ما شاد کند

اس میں سلمیٰ سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں انسے عام آدمی کو صنعت اشتقاق کا خیال پیدا ہوگا لیکن اصل میں یہ تناسب الفاظ ذرا سے فاصلے پر بار بار آکر کانوں کو خوش آئند معلوم ہوتے ہیں مثلاً،

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی
خدمت از ما برساں سرو گل و ریحاں را

اس شعر میں سرو گل و ریحاں جو الفاظ آئے ہیں عام لوگ اسکا نام مراعات النظیر یا صنعت اعداد وغیرہ کہدینگے لیکن اس شعر کی جان اور اس میں خاص لطف ان متناسب الوزن الفاظ کا آخر میں آنا ایک خوشنوائی اور خوش آہنگی پیدا کرتا ہے جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی حالانکہ یہ ممکن تھا کہ وہ صنعتیں باقی رہتیں خواجہ صاحب کے کلام میں جہاں اکثر یہی صنعتیں نظر آتی ہیں غور سے دیکھو تو ان میں دراصل خوشنوائی اور خوش آہنگی کا وصف ملحوظ ہوتا ہے

اعتمادے نیست بر دور جہاں — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

از پئے بوسہ زلبش جان ہمی دہم — اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

شیوۂ ناز تو شیرین خط و خال تو ملیح — چشم و ابروی تو زیبا قد و بالای تو خوش

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت — ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت — جور شاہ کامران گر بر گدائی رفت رفت

غور کرو ان اشعار میں جہاں مکرر الفاظ آئے ہیں کس قدر کانوں کو خوش معلوم ہوتے ہیں ظاہر ہے اسکو صنعت تکرار کہدینگے لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکرر آنا کوئی لطف پیدا کرتا ہے

کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش — کے روی؟ رہ ز کہ پرسی؟ چہ کنی؟ چون باشی

مصرع آخیر میں تمکو خیال ہوگا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہے کہ پے در پے سوالات آئے ہیں جس سے صنعت استفہام پیدا گئی ہے لیکن اس سے قطع نظر کرکے دیکھو، یہ الفاظ کس طرح کانوں کو ایک خاص تناسب سے کھٹکا دیتے ہیں اور خوش آیند معلوم ہوتے ہیں۔

خدا را رحمی اے منعم کہ درویش سر کوت — درے دیگر نمی داند رہ دیگر نمی گیرد

بندش کی چستی

بندش کی چستی ایک وجدانی چیز ہے اسکی تعریف و تحدید نہیں ہوسکتی لیکن مذاق صحیح آسانی سے اسکو احساس کرتا ہے مثلاً ان اشعار میں باوجود اتحاد مضمون اور الفاظ کے بندش کی چستی کا جو فرق ہے ہر شخص محسوس کرسکتا ہے

مشاطہ را جمال تو دیوانہ مے کند — کائینہ را خیال پری خانہ مے کند (سلیم)

دل را نگاہ گرم تو دیوانہ مے کند — آئینہ را رخ تو پری خانہ مے کند (صائب)

ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ میشود — آئینہ از رخ تو پری خانہ میشود (غنی)

سرچشمۂ حیات لب میچکان اوست — عمر دوبارہ سایۂ سرو روان اوست (صائب)

عیش ابد بہ کام دل دردمند تست — عمر دوبارہ سایۂ سرو بلند تست (فطرت)

صائب — ہمیشہ صاحب طول امل غمین باشد | کہ چین بقدر بلندی در آستین باشد

بیدل — دستگاہ ہمت ہر قدر بیش است کلفت بیشتر | در خور طول است چین جامہ کہ دارد آستین

خواجہ صاحب جیسا کہ خود انہوں نے متعدد موقعوں پر تصریح کی ہے سلمان اور خواجو کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں ان غزلوں کے مقابلہ کرنے سے بندش کے زور اور چستی کا فرق صاف نظر آجاتا ہے

سلمان — ہمچناں مہر توام مونس جاں است کہ بود | ہمچناں ذکر توام در زباں است کہ بود

حافظ — گوہر مخزن اسرار ہماں است کہ بود | حقۂ مہر بداں مہر نشاں است کہ بود

مونس جان، کے قافیہ کے جواب میں خواجہ صاحب کا شعر ہے،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح | بوی زلف تو ہماں مونس جاں است کہ بود

سلمان — شوقم افزوں شد و آرام کم و صبر نماند | در فراق تو دلے عہد ہماں است کہ بود

حافظ — عاشقاں بندۂ ارباب امانت باشند | لاجرم چشم گہربار ہماں است کہ بود

اس شعر میں سلمان کی بندش کی سستی صاف ظاہر ہے "در فراق تو" کا موقع پہلے مصرع کے ابتدا میں ہے وہاں سے الگ ہو کر دلے کیساتھ اسکی ترکیب بالکل بے مزہ ہو گئی ہے

سلمان — کے بود کہ بگویند سراسر اغیار | کہ فلاں یار ہماں یار فلاں است کہ بود

حافظ — طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید | ہمچناں در عمل معدن و کان است کہ بود

در ازل عکس مے لعل تو در جام افتاد | عاشق سوختہ دل در طمع خام افتاد

عکس روی تو چو در آئینہ جام افتاد | عارف از پرتو مے در طمع خام افتاد

جام کے قافیہ میں حافظ کے اور اشعار ملاحظہ ہوں:

آں شد اے خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی | کار ما با رخ ساقی و لب جام افتاد

سلمان — عشق بر گشتن عشاق تغافل مے کرد | از لبیں قرعہ کہ زد بر من بدنام افتاد

حافظ — صوفیاں جملہ حریف اند و نظر باز ولے | زاں میاں حافظ سودا زدہ بدنام افتاد

خال مشکین تو در عارض گندم گون دید | در خم زلف تو آویخت دل از چاہ زنخ

آدم آمد ز پے دانہ و در دام افتد | آہ کز چاہ بروں آمد و در دام افتاد

ان آخیر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے بندش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہو جائیگا سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزوں ہی چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہیں بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ عام مسلمہ تشبیہ ہی لیکن سلمان کے شعر میں بندش کی جو چستی ہی خواجہ صاحب کے شعر میں نہیں مصرع آدم آمد ز پے دانہ و در دام افتاد آدم، دانہ، دام یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہوگئے ہیں کہ مصرع میں نہایت برجستگی پیدا ہوگئی ہی خواجہ صاحب کا مصرع پھس پھسا ہے، اور خصوصاً آہ کے لفظ نے مصرع کو بالکل کمزور کر دیا ہے،

دام زلف تو بہر حلقہ طنابے دارد | آں کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد

سلمان — چشم مست تو بہر گوشہ خرابے دارد | بازبادل شدگان ناز و عتابے دارد

حافظ — خون چشم من ازاں ریخت کہ تا طرہ بزم | چشم من کرد بہر گوشہ رواں سیل سرشک

کہ برش مردم صاحب نظر آبے دارد | تا سہی سرو ترا تازہ بہ آبے دارد

رسن زلف تو سر رشتہ جان من و شمع | ماہ خورشید نمایش ز پس پردہ زلف

ہر یکے از آتش رخسار تو تابے دارد | آفتابے ہست کہ در پیش سحابے دارد

آنکہ ز ابرو و مژہ تیر و کمانے دارد | شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد

چشم ما کردہ سیہ قصہ جہانے دارد | بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

ان مقابلوں سے بندش کی چستی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا اب خواجہ صاحب کے اشعار ذیل کو اس نظر سے دیکھو۔

آں شمع سر گرفتہ دگر چہرہ بر فروخت | واں پیر سالخوردہ جوانی ز سر گرفت

آں عشوہ داد عشق کہ مفتی ز رہ برفت | واں لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت

زنہار ازاں عبارت شیرین دلفریب | گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت

من ایستادہ تا کنمش جان فدا چو شمع — او خود گذر بما چو نسیم سحر نکرد
ماہی و مرغ دوش نخفت از فغان من — واں شوخ دیدہ بیں کہ سر از خواب برنکرد
بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من — کوتاہ کرد قصہ زہد دراز من
دیدمش خرم و خنداں قدح بادہ بدست — و اندراں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم — گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد
زلفین سیہ خم بہ خم اندر زدہ باز — بخت من شوریدہ بہم برزدہ باز
بر شیشہ عمرم زدہ سنگ ولیکن — باتو چہ توان گفت کہ ساغر زدہ باز

ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جوہر یہی حسن بندش ہے۔ حافظ کا قول ہے کہ مضمون بازاریوں تک کو سوجھتے ہیں، جو کچھ فرق اور امتیاز ہے لطف ادا اور بندش کا ہے سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ ایک مضمون کسی شاعر نے باندھا بعینہ وہی مضمون دوسرے نے باندھا۔ الفاظ تک اکثر مشترک ہیں لیکن لفظوں کے الٹ پلٹ اور ترتیب سے وہی مضمون کہاں سے کہاں پہنچ گیا،

شوخی و ظرافت

خواجہ صاحب کے کلام میں جا بجا شوخی اور ظرافت بھی ہے لیکن نہایت لطیف اور نازک ہے شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہیں لیکن زیادہ کھل جاتے ہیں، خواجہ صاحب کی شوخی طبع کی لطافت دیکھو،

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند — قول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں، اسقدر تو ہمکو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں، رہا باقی فرشتہ ہے یا شیطان اسکا فیصلہ ہو تو رہیگا

بہ کوئی می فروشانش بجامی بر نمی گیرند — زہی سجادہ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مگیر — مجلس وعظ دراز است و زماں خواہد شد

یعنی میں اگر مسجد سے اٹھکر شراب خانہ میں چلا گیا تو اعتراض کی کیا بات ہے، وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، میں پی کے چلا آؤں گا اسی مضمون کو قائم نے اردو میں ادا کیا ہے،

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم — یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

حافظ محتسب خم شکست و بندہ سرش سن بالسن والجروح قصاص

قرآن مجید میں قصاص کی آیت میں مذکور ہے کہ زخم کا بدلہ زخم ہے مثلاً اگر کوئی کسی کا دانت توڑ ڈالے تو اس کا بھی دانت توڑ ڈالا جائے گا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محتسب نے خم شراب کو توڑ ڈالا تھا میں نے قصاص کے حکم کے موافق اس کا سر توڑ دیا

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیہوں کے بدلے میں بیچ ڈالا تھا میں اگر ایک جو کے بدلے میں نہ بیچوں تو ناخلف ہوں

من وانکار شراب این چہ حکایت باشد غالباً این قدرم عقل کفایت باشد

میں اور شراب کا انکار! غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہے یعنی یہ سمجھ لوں کہ شراب چھوڑنا مجھکو زیبا نہیں ہے اس سے زیادہ عاقل اور دور اندیش ہونا مجھکو منظور نہیں

نہ من ز بے عملی در جہاں ملولم و بس ملالت علما ہم ز علم بے عمل است

میں بیکاری سے (یعنی شراب وغیرہ کا مشغلہ نہیں ہے) دل گرفتہ ہوں بے عمل ہونا بڑے اسی لئے عالم بے عمل ہی اچھا نہیں ہوتا۔

نقد دمے کہ بود ہمہ صرف بادہ شد قلب سیاہ بود بجائے حرام رفت

قلب دل کو بھی کہتے ہیں اور کھوٹے سکہ کو بھی، اس بنا پر کہتے ہیں کہ میرا قلب اگر شراب میں صرف ہوا تو ہونا ہی چاہئے تھا۔ ع مال حرام بود بجائے حرام رفت ۔

تسلسل مضامین ایشائی غزلگوئی کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی خیال کو مسلسل نہیں ظاہر کر سکتے ہر غزل متعدد اور مختلف بلکہ متناقض مضامین کا مجموعہ ہوتی ہے غزل کے جو بہات مضامین ہیں مثلاً حسن و عشق سراپائے معشوق وصل ہجر ہزاروں دفعہ بندھ چکے ہیں لیکن ان میں سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل اور تفصیلی بیان کہیں نہیں مل سکتا اگرچہ حقیقت میں یہ چنداں اعتراض کی بات نہیں مسلسل خیالات کے لئے مثنوی کی صنف متعین کر دی گئی ہے قصائد اور قطعات سے یہ کام ہو لیا جاتا ہے غزل اس غرض کیلئے

خاص کردی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل میں آتے رہتے ہیں ضائع نہ جانے پائیں اس صنف کیلئے قادر الکلامی درکار ہے، یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہے لیکن وہ کسی خیال کو دو چار شعروں سے کم میں نہیں ادا کر سکتے بخلاف اسکے ہمارے شعرا نہ صرف چھوٹی چھوٹی باتیں بلکہ نہایت وسیع اور بڑے مضامین کو بھی ایک شعر میں ادا کر دیتے ہیں جو اختصار کی وجہ سے فوراً زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مضامین ایسے ہوتے ہیں جو نہ اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے مثنوی یا قصائد کی وسعت درکار ہو نہ اتنے مختصر کہ ایک دو شعر و میں سما جائیں اسلئے اس قسم کے مضامین کیلئے غزلیں ہی مناسب ہیں اس صورت میں ضرور ہے کہ غزل مسلسل ہو یعنی پوری غزل یا غزل کے متعدد اشعار ایک مضمون کیلئے خاص کر دئے جائیں اس قسم کی غزل کا رواج اگرچہ عام نہیں ہوا تاہم جستہ جستہ پائے جاتے ہیں اور سب سے پہلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی انکی اکثر غزلوں میں ایک خاص خیال یا ایک خاص سماں دکھایا گیا ہے اس قسم کی چند غزلوں کے مطلع ہم نقل کرتے ہیں۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند	واندران ظلمت شب آب حیاتم دادند
بود آیا کہ در میکدہا بکشایند	گرہ از کار فرو بستۂ ما بکشایند
یاد دادان کہ بہ خلوت گہ کاخ ابداع	شمع خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع
ای پیک پی خجستہ چہ نامی فدیت لک	ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بہ ایں نمک
گر ز دست زلف مشکینت خطائے رفت رفت	ورز ہندوی شما بر من جفائے رفت رفت
کنوں کہ در چمن آمد گل از عدم بہ وجود	بنفشہ در قدم او نہاد سر بہ سجود

(بہار کے ذکر میں) یاد باد آں کہ نہانت نظرے با ما بود ٭ رقم مہر تو بر چہرۂ ما پیدا بود ٭
پوری غزل میں پہلی دلچسپیوں کو یاد دلادیا ہے، اور ہر شعر یاد باد سے شروع ہوتا ہے

خوشا شیراز و وضع بے مثالش	خداوندا نگہدار از زوالش

(شیراز کی تعریف میں) نسیم صبح سعادت بداں نشاں کہ تو دانی ٭ خبر بہ کوئی فلاں بر بداں زماں کہ تو دانی
(قاصد سے پیغام کہلا بھیجا)

تمت

تصانیف مولانا شبلی نعمانی رحم

الفاروق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مفصل سوانحعمری کے علاوہ ان جملہ واقعات کی تشریح جو حضرت عمر کے وجود سے متعلق ہیں ان تمام لڑائیوں کی تفصیل جو رسول خدا کے خلاف کفار عرب نے انجام دیں اور ان میں حضرت عمرؓ کے عقلی و عملی کارنامے رسول خدا کی وفات حضرت ابوبکرؓ کی خلافت حضرت عمرؓ کی خلافت اسلامی قانون کا اجرا تمام محکمہ جات کی ایجاد. ڈاک کے سلسلے ٹیکس اور لگان کے طریقے بالتفصیل درج ہیں کاغذ چکنا ولایتی سفید ضخامت تقریباً تین سو صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے -

سیرۃ النعمان حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کے حالات اور فن فقہ پر تفصیلی ریویو کاغذ چکنا ولایتی سفید حجم تقریباً ۲۰۰ صفحے قیمت ہر دو حصہ کامل ایک روپیہ آٹھ آنے

المامون یعنی نامور فرمانروایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ کاغذ چکنا ولایتی سفید ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت ہر دو حصہ ایک روپیہ (عہ)

الغزالی - امام غزالیؒ کی ولادت. غزالی کی وجہ تسمیہ ابتدائی تعلیم. امام صاحب کی یادداشتوں کا لٹ جانا. امام صاحب پر ایک قزاق کے طعنہ کا فوری اثر. تکمیل تحصیل علم کی غرض سے نیشاپور کا سفر. تصوف اور حالت بیخودی میں بغداد سے نکلنا کاغذ سفید ۳۶ سرخیوں کے ماتحت ۱۲۰ صفحہ نیز قیمت ایک روپیہ - (عمر)

سوانح مولوی روم قیمت عہ, سفرنامہ روم و مصر و شام قیمت عہ, اورنگ زیب پر ایک نظر ۸, بیان خسرو ۸, مجموعہ نظم شبلی ۸, الہارون عگا, آغاز اسلام ۸, مقالات شبلی ۱عہ, حیات سعدی ۸, رباعیات عمر خیام. دو روپے آٹھ آنے. ملنے کا پتہ یہ ہے :-

شیخ نذیر حسین و حافظ شریف حسین مالکان رحمانی پریس دہلی